وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ



مسئلہ استرداد ابراربعہ و تبصرہ

بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ)

وکیل و وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی الٰہ آباد

انجمن پریس صدر بازار … چھپی

بار اول ۱۰۰۰ — ماہ رجب المرجب ۱۳۴۳ھ — قیمت فی جلد ۸/

فہرست مضامین مرآۃ الابرار

دیباچہ

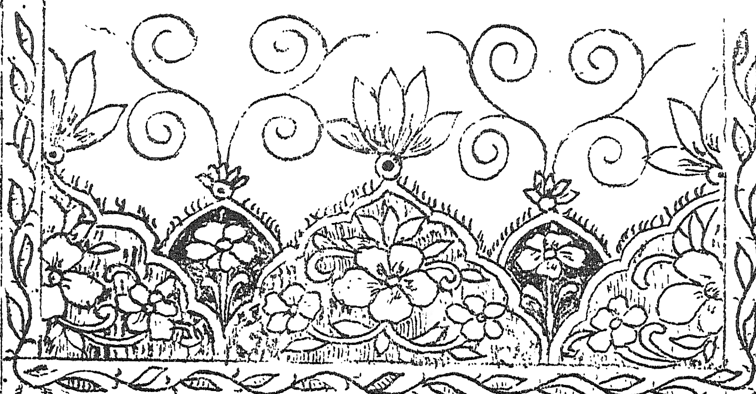
راقم الحروف نے اعلیحضرت نظام کا مکتوب شایع ہوتے ہی مسئلہ استرداد برار پر ہندوستان کے ایک مشہور روزنامہ کیلئے متعدد مضامین تحریر کئے تھے جو انگریزی داں طبقہ میں بہت مقبول ہوئے اور انھیں نہ صرف ہندوستان کے قریب قریب تمام مشہور انگریزی اخبارات بلکہ انگلستان کے جرائد نے بھی اپنے کالموں میں جگہ دی۔ مگر تمام مضامین اُردو داں طبقہ تک نہیں پہنچ سکے۔ لہذا چند احباب کے اصرار پر ایک کتاب کی شکل میں وہ مضامین اُردو داں پبلک کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں مسئلہ استرداد برار کا تعلق صرف اعلیحضرت فرمانروائے دکن ہی سے نہیں بلکہ یہ ایک ہندوستان کا قومی مسئلہ ہے اور اسکا فیصلہ قومی نقطۂ نظر سے بہت ہی بڑی سیاسی خصوصیت رکھتا ہے۔ اس حق و صداقت کے مسئلہ کے فیصلہ کا اونٹ چاہے کسی کروٹ بیٹھے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے والا کوئی بھی ہندوستانی محب قوم اسکی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتا اور مجھے اُمید ہے کہ یہ چند سطور جنمیں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے کی کوشش کیگئی ہے ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم کی توجہ استرداد برار کی طرف مبذول کرینگی۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آکولہ (برار)

مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ء

مصنف



بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

ایک تاریخی باز نظری

صوبہ برار جسکا احاطہ ڈنمارک سے ایک ہزار تین سو چھیانوے میل مربع اور بلجیم سے چھ ہزار دو سو اڑتالیس میل مربع زیادہ ہے زمانہ قدیم سے دکن کا زرخیز ترین حصہ خیال کیا جاتا ہے۔ نہ صرف آئین اکبری میں اسکی شادابی اور سیاسی اہمیت کا ذکر ہے بلکہ تھیونو مشہور سیاح نے بھی اسکی زرخیزی کی شہادت دی ہے۔ اکبری جغرافیہ دانوں نے اس صوبہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ بالا گھاٹ۔ پائین گھاٹ اور میل گھاٹ۔

یہاں کی کالی زمین کپاس جیسی قیمتی فصل کی کاشت کیلئے بہت ہی موزوں ہے حتی کہ جو ایک کروڑ سولہ لاکھ پینسٹھ ہزار ایکڑ زمین ہندوستان میں کپاس کے زیر کاشت ہے اسمیں سے قریب قریب چوتھا حصہ صرف برار کا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ مقابلتہً دوسرے صوبوں کے یہاں کے کاشتکار بدرجہا زیادہ فارغ البال ہیں۔ گذشتہ بیس سال میں اس صوبہ کی آمدنی بھی قریب قریب دُگنی ہو گئی ہے اور روزافزوں ترقی پر ہے۔ اسکے مقابلہ میں پچیس[۲۵] لاکھ سالانہ پٹے کی رقم عشر عشیر بھی نہیں۔ معدنیات کی بھی یہی حالت ہے سر ٹامس ہالینڈ کا تخمینہ ہے کہ دوارب (یا دس ارب) کروڑ ٹن کوئلہ صرف ضلع ایوت محل سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

مگر اس قدیم صوبہ کی ۱۸۵۶ء کے قبل کی مستند تاریخ کا پتہ نہیں لگتا۔ ویدک ماتہ میں اس صوبہ کو "ودربھ" (مرہٹی نام وربار غالباً ودربھ سے نکلا ہے) کہتے تھے اور اسی نام سے مہابھارت میں اسکا تذکرہ ہے ہندوؤں کی اس مذہبی کتاب میں راجہ رُکھمیں فرمانروائے ودربھ اور ہندوؤں کے مشہور اوتار سری کرشن جی کے درمیان ایک سخت جنگ کے مفصل حالات موجود ہیں۔ راجہ نل اور دمینتی کے شہرۂ آفاق فسانہ سے جسکی دلفریبیوں کو مسٹر محل بھی گذشتہ کونسل صوبہ متوسط کے موقع پر اپنی تقریریں فراموش نہ کر سکے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ فرمانروائے "ودربھ" کی سلطنت قریب قریب تمام دکن میں پھیلی ہوئی تھی اور اسکا دارالحکومت مقام بدر تھا مگر اسکے متعلق قابل وثوق تاریخی معلومات مہیا نہیں ہو سکتیں۔ سب سے پہلی باقاعدہ اور بانظام سلطنت جسکا تاریخ سے پتہ لگتا ہے حکومت اندھرا تھی۔ مگر وہ گوناگوں سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے عرصہ

تک قائم نہ رہ سکی اور قریب قریب نصف صدی کے دور کے بعد ہی ۱۲۳ء میں نیست و نابود ہو گئی۔ اسکے بعد اجگان خاندان واکاٹک و اہیروں نے اس صوبہ پر تسلط قائم کیا۔ گولی گڑھ (صوبۂ خاندیش)۔ اسیر گڑھ یا اسا اہیر گڑھ (صوبہ متوسط) اور گاول گڑھ (صوبہ برار) جیسے مستحکم اور سربہ فلک قلعہ جات اہیروں کی سلطنت کی یادگار ہیں۔ اہیروں کی تباہی کے بعد خاندانہائے چالوکیا اور راشٹرکوٹہ ترقی پذیر ہوئے۔ اور ۱۱۵۰ء تک ان خاندانوں کے راجہ برسرِ حکومت رہے۔ خاندان چالوکیا کے آخیر فرمانروا راجہ سوسیورا چہارم کے انتقال کے بعد برار سلطنت دیوگری (دولت آباد) کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔ راجہ بھیلم اول نے یہ سلطنت دیوگری انتہا درجہ کی جانفشانی اور خونریزی کے بعد ۱۱۸۰ء میں قائم کی تھی۔ اور اسکا خاندان ایک صدی تک برسرِ حکومت رہا۔ سلطنت دیوگری کے چھٹویں بادشاہ راجہ رام چندر کے عہد میں ۱۲۹۴ء فیروز شاہ کے مشہور بھتیجے شہزادہ علاؤالدین نے چندیری اور ایلچپور کے راستہ سے دکن پر حملہ کیا۔ راجہ دیوگری کو شکست فاش ہوئی اور ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام کا پرچم فتح و نصرت دکن کی پہاڑیوں پر پوری آب و تاب کے ساتھ لہرانے لگا۔ اپنی مہتم بالشان و معرکۃ الآرا فتوحات کے تھوڑے عرصہ کے بعد شہزادہ علاؤالدین دکن سے واپس ہوا اور

دہلی میں اپنے چچا فیروز شاہ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ ۱۳۱۶ء میں علاؤالدین کے اچانک انتقال کی خبر پاکر ہرپال دیو نے دکن میں علم بغاوت بلند کیا۔ ہرپال دیو کی شورش ناکامیاب ہوئی اور ایک سال کے بعد ہی قطب الدین مبارک شاہ اول نے اس فتنہ پرداز دکن کی فوجوں کو تباہ کرکر دکن کے ان صوبجات کا جنمیں برار بھی شامل تھا سلطنت دہلی کیساتھ الحاق کرلیا۔

چونکہ محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد (دیوگری) تبدیل کردیا تھا اسلئے اس بادشاہ کے عہد میں صوبہ برار کو بہت اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ شمالی ہند کے کئی معزز خاندان اس صوبہ میں آکر بس گئے۔ دکن کے بہت سے امراء کو جاگیریں عطا ہوئیں۔ مگر محمد بن تغلق کے اخیر دور میں دکن کے کئی تعلقدار سلطنت دہلی سے منحرف ہوگئے حتیٰ کہ حسن گنگو بانیٔ خاندانِ بہمنی علاؤالدین بہمن شاہ کے لقب سے سلطانِ دکن قرار دیا گیا اور تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔

علاؤالدین بہمنی نے سر آرائے سلطنت ہوتے ہی دکن کو چار صوبوں میں تقسیم کردیا۔ ان صوبوں میں سے ایک صوبہ برار تھا۔ شاہان بہمن براجگان بیجانگر۔ تلنگانہ۔ اڑیسہ۔ کوکن اور سلاطین گجرات۔ مالوہ اور خاندیش کی باہم لڑائیوں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ برار کے باشندے اس زمانہ میں بہت

جنگجو سمجھے جاتے تھے۔ اور دکن کی افواج میں براریوں کا ایک معتدبہ حصہ شریک و شامل تھا۔ علاقہائے ماہور۔ رام گڑھ اور پاتھری اسی صوبہ کی قسمتیں تھیں۔ سلاطین بہمنی نے اپنے صوبیداروں کو بہت وسیع اختیارات دے رکھے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چودھویں بہمنی سلطان محمود شاہ دوم کے زمانہ میں مختلف صوبیدار مطلق العنان ہو گئے اور عماد الملک نے جو صوبہ برار کا گورنر تھا اور گاویل کا قلعہ دار بھی رہ چکا تھا ۱۴۸۹ء میں اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ بادشاہ عماد الملک نے جو اصل میں ایک کنڑی ہندو تھا اور وجے نگر کی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا چودہ سالہ دورِ حکومت کے بعد ۱۵۰۴ء میں قضا کی۔ اور اسکا لڑکا علاؤ الدین عماد شاہ جسکا دار الخلافت قلعۂ گاویل گڑھ تھا صرف ۱۵۲۹ء تک سلطنت کرسکا۔ ۱۵۲۹ء میں علاؤ الدین عماد شاہ کے انتقال کے بعد دریا عماد شاہ اور برہان عماد شاہ اکتیس سال تک برسر حکومت رہے ۱۵۶۰ء میں برہان عماد شاہ کے نمک حرام وزیر طغل خاں نے اپنے آقا کو قلعہ نرنالہ (ضلع اکولہ) میں جو آجکل صاحب لوگوں کا شکارگاہ ہے مقید کر دیا۔ بادشاہ احمد نگر کو یہ خبر پہنچتے ہی وہ ایک فوج کثیر لیکر برار میں داخل ہوا اور طغل خاں پر فتحیاب ہو کر اس غدار وزیر۔ اسکے لڑکے۔ اور خود برہان عماد شاہ کو قتل کر ڈالا۔ اور برہان عماد شاہ کے قتل کے ساتھ ساتھ عماد شاہی خاندان کا جسنے پچاسی برس تک حکومت کی ہمیشہ کیلئے اختتام ہو گیا۔

احمد نگر کا نظام شاہی خاندان اندرونی تنازعات کی وجہ سے زیادہ عرصہ
تک اس صوبہ پر برسرِ اقتدار نہ رہ سکا بیجاپور کی مشہور جنگجو ملکہ چاند بی بی بھی اس
خاندان کو تباہی سے نہ بچا سکی شہنشاہ اکبر کی توجہ دکن پر مبذول ہو چکی تھی
اور شہنشاہ موصوف اپنے امراء سے ملک دکن کی زرخیزی اور شادابی کے قصے
سن چکا تھا۔ ۱۵۹۵ء میں شہزادہ مراد ایک کثیر فوج کیساتھ دکن میں داخل ہوا۔
اور احمد نگر کا محاصرہ کیا۔ اور متواتر ایک سال کے محاصرہ کے بعد نظام شاہی
خاندان سے صوبہ برار حاصل کر سکا۔ سلطنتِ مغلیہ سے برار کے الحاق کے بعد
شہزادہ مراد نے بالاپور (ضلع اکولہ) سے چھ میل کے فاصلہ پر مستقل اقامت
کے ارادہ سے ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا اور اسکا نام شاہ پور رکھا۔ مگر دو سال
کے بعد ہی ۱۵۹۸ء میں شہزادہ مراد نے وفات پائی۔ اسی سال شہنشاہ اکبر
نے احمد نگر کو فتح کر کے اپنے پانچویں لڑکے شہزادہ دانیال کو احمد نگر۔ خاندیش
اور برار کا صوبہ دار مقرر کیا۔ دورِ دانیالی بھی بہت تھوڑے عرصہ تک قائم رہ سکا
یعنی صرف سات سال کے بعد ہی ۱۶۰۵ء میں شہنشاہ اکبر اور شہزادہ دانیال
دونوں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ اور سلطنتِ مغلیہ کے اثر میں کمزوری واقع ہو گئی۔
دورِ جہانگیری میں صوبہ برار احمد نگر کے مشہور حبشی غلام بادشاہ ملک عنبر کے تصرف
میں رہا۔ شاہجہاں کے تخت نشین ہوتے ہی تختِ دہلی کا اقتدار دکن میں پھر سے بڑھ گیا
اور ۱۶۳۶ء میں شاہجہاں نے برار کو ایک علیحدہ خود اختیار صوبہ قرار دیکر اسکی دارالحکومت

ایلچپور مقرر کی۔ عالمگیر اورنگ زیب دکن کے تمام صوبجات کا وائسرائے مقرر ہوا سنہ ۱۶۳۶ء
شیواجی کے بیٹے سمبھاجی نے اس صوبہ پر فوج کشی کی اور سنہ ۱۶۹۸ء میں راجہ رام
(برادر سمبھاجی) دیوگڑھ کے گونڈ راجہ بخت بلند کی اعانت سے اس صوبہ کو اپنے
تصرف میں لایا۔ سلطنت مغلیہ کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر مرہٹوں نے بیدھڑک اس صوبہ میں
چوتھ وصول کرنی شروع کی اور نام نہاد شہنشاہ فرخ سیر کے دورانِ حکومت میں
سلطنتِ دہلی کیطرف سے بذریعہ فرمان شاہی اسکی باقاعدہ اجازت بھی دیدی
گئی۔ سنہ ۱۷۱۹ء میں چین قلیچ خاں ایک بہادر تورانی سردار جسنے اورنگ زیب کے
آخیر دور میں کارہائے نمایاں کئے تھے دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور آصف جاہ اول
کے نام سے موسوم ہوا۔ آصف جاہ کے مخالفین نے مبارز خاں صوبہ دار خاندیش کو
ورغلایا کہ آصف جاہ کا مقابلہ کرے۔ ان خفیہ سازشوں کی بدولت سنہ ۱۷۲۴ء میں
شکر کھیڑہ کے میدان میں ایک عظیم الشان جنگ ہوئی اور مبارز خاں اور اسکی کثیر فوج کو
شکست فاش ہوئی۔ اس روز سے خاندانِ آصف جاہی کا دکن پر پورا پورا
تسلط قائم ہوگیا اور ہمیشہ کیلئے برار آصف جاہ نظام الملک کی حکومت کا جزو
لاینفک بنگیا۔ جنگ شکر کھیڑہ کے بعد بھونسلہ راجگانِ ناگپور نے جنھیں انحطاط
سلطنت مغلیہ کیوجہ سے بہت قوت حاصل ہوگئی تھی اپنی ریشہ دوانیاں شروع کیں
اور بہت کچھ محاصل مالگذاری بھی وصول کرنے لگے۔ مگر چند پرگنہ جات کے علاوہ
اس صوبہ کو نظام الملک کی حکومت سے علیحدہ نہ کرسکے آخرکار سنہ ۱۸۰۳ء کی

تاریخی معرکہ آرائیوں کے بعد جنمیں مرہٹوں کو اسائی اور اڑگانوں میں سخت شکست ہوئی تھی اور جنرل ویلزلی نے قلعہ گاول گڑھ پر قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ بھونسلہ راجہ نے عہدنامہ دیوگانوں پر دستخط کرکے ہمیشہ کیلئے اس صوبہ سے دست برداری اختیار کی ۱۸۰۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے نظام الملک کا صوبہ برار پر پورا پورا حق تسلیم کرلیا مگر یہ زمانہ سلطنت مغلیہ کی تباہی کے باعث تمام ہندوستان میں عموماً اور دکن میں خصوصاً ایک بہت ہی بے امنی کا دور تھا۔ عرصہ دراز کی جنگ و جدال کی بدولت حیدرآباد کا خزانہ خالی ہوگیا تھا اور افواج قلیل و کمزور ہوگئیں تھیں۔ پنڈاری اور بھیلوں کے حملوں نے ذرایع آمدنی محدود و مخدوش کردیئے تھے اور سلطنت کے مالیہ کو معرض خطر میں ڈالدیا تھا۔ پورن مل ساہوکار اور پامر کمپنی کا اس صوبہ کے اکثر حصہ جات کے محاصل کی وصولی کا ٹھیکہ ملکی مالیات کی ابتری کی بہترین مثال ہے۔ نظام الملک کو امن عامہ قائم رکھنے اور بغاوت پسند زمینداروں کی سرکوبی کیلئے غیروں کی فوجی اعانت کا دست نگر ہونا پڑا۔ اغیار نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ افواج کے اخراجات کا کثیر بار نمکحرام وزراء کی فضول خرچیوں کی بدولت کئی چند بڑھ گیا اور آخرکار برار کے دوامی پٹہ کی شکل میں ظہور پذیر ہوا جسکی کیفیت آئندہ باب میں مفصل درج ہے۔

باب دوم

تاریخی پہلو

مسئلہ استرداد برار کے تاریخی پہلو کی نسبت بعض اوقات اُن لوگوں کی رائے جو اپنے آپکو نقادانِ فنِ تاریخ سمجھتے ہیں دکن میں برطانوی سیاست کی تاریخ سے ایسی عمیق جہالت کا اظہار کرتی ہیں کہ دیکھنے والے کا دل یہ دیکھکر دہل جاتا ہے کہ وہ اُن راستوں پر چل رہے ہیں جہاں ایک تجربہ کار مورخ بھی چلنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ہمیں خوف ہے کہ ناگپور کے ایک مشہور براری وکیل جو ایک مرتبہ گورنمنٹ ایڈوکیٹ بنتے بنتے رہ گئے تھے اور جنھوں نے حال میں تاریخ کی دیوی پر ڈورے ڈالنے شروع کئے ہیں ایسا نہ ہو کہ "ڈکمنس" کی حیلہ ساز فریبا نگن برادری کا تازہ ترین نخچیر ہو بن جائیں۔

فریب خوردہ نظام

جو شخص بھی ۱۷۶۶ء، ۱۷۶۸ء، ۱۸۵۳ء کے معاہدات کا بے تعصبانہ مطالعہ کریگا وہ کبھی اس امر کا یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تفویض برار کے معاملہ میں سرکار انگریزی نے سرکار نظام کیساتھ سخت ناانصافی کی ۱۷۶۶ء کے معاہدہ کی بموجب "ایسٹ انڈیا کمپنی اُن مکرمت آمیز اعانتوں کے معاوضہ

میں جو ہز ہائینس نظام نے کی ہیں پنج سرکار علاقیہ کیلئے انھیں اور انکے ورثا کو معاف بطور عطیہ دیتی ہے اور ذریعہ ہذا وعدہ کرتی ہے اور اقرار کرتی ہے کہ اپنے سپاہیوں کی ایک فوج بوقت ضرورت ہز ہائینس کے معاملات کو جو حق اور مناسب ہوں درست رکھنے کیلئے تیار رہیگی۔" بہ الفاظ دیگر گویا شمالی سرکار کے پانچ زرخیز اضلاع کے عطیہ کے معاوضہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وعدہ اور اقرار کیا تھا کہ اپنے پاس وہ ایک فوج نظام کی امداد کیلئے تیار رکھیگی اور بوقت ضرورت اعلیٰ حضرت نظام اسکو کام میں لاسکینگے۔

سنہ ۱۷۶۸ء کے معاہدہ کی دفعہ ششم میں اس وعدہ کی دوبارہ تصدیق کی گئی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب کرناٹک نے اکٹھے اور علیحدہ علیحدہ اس بات کا اقرار کیا کہ جب کبھی نظام کو ضرورت ہوگی وہ انکی فوجی امداد کرینگے۔ اس سے زیادہ واضح شرائط کا تصور دشوار ہے جنمیں فریقین معاہدہ کے باہم حقوق و فرائض بیان ہوں۔ اسکے پورے تئیس سال کے بعد مذکور الصدر دفعات کو جنمیں فوجی امداد کا وعدہ کیا گیا تھا چھ ہزار سپاہیوں کی مستقل و دوامی اعانتی فوج کی صورت میں مادی شکل دیگئی۔

حدِ امتیاز اس عہد کے کاغذات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اعانتی فوج اسلئے قائم کیگئی تھی اور نظام کی خدمت میں رکھی گئی تھی کہ وقت ضرورت اعلیٰحضرت نظام فوراً اسکی مدد سے مستفیض ہو سکیں۔ سنہ ۱۷۹۸ء کا

یہ معاہدہ جسکو اس پختہ مغز مدبر ارل آف مارننگٹن کی جانب سے کپتان کرک پیٹرک نے انجام دیا تھا اور جو اس اعانتی فوج کی بنیاد ہے، نظام اور برطانیہ کے سیاسی تعلقات کی تاریخ میں ایک اہم حد امتیاز ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد سے فرانسیسی افواج جو عام طور پر مشہور فرانسیسی جنرل ریمنڈ کے نام سے ریمنڈی افواج کہلاتی تھیں برطرف کردی گئیں۔ دربار نظام میں فرانسیسی اثر کا خاتمہ ہوگیا اور انگریز اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کیلئے آزاد ہوسگئے۔ اس معاہدہ کی پانچویں دفعہ مظہر ہے کہ " مذکورہ اعانتی فوج ہمیشہ ہر وقت عام کاموں کی انجام دہی کیلئے تیار رہیگی مثلاً ہز ہائینس اور انکے ورثا اور جانشینوں کی حفاظت نسلاً درنسلاً کریگی اور ممالک محروسہ میں فساد پیدا کرنیوالے باغیوں کی تعزیر کریگی لیکن ملک کی مالگذاری وصول کرنے کیلئے اسے مقرر نہیں کیا جاسکیگا۔" ان اہم فوجی خدمات کی انجام دہی کے صلہ میں جو داخلی اور خارجی دونوں امدادوں پر مشتمل تھیں سرکار نظام نے اقرار کیا کہ چوبیس لاکھ سترہ ہزار ایک سو روپیہ سالانہ امدادی فوج کے اخراجات کے لئے ادا کیا کرینگے۔ مشکل سے دو سال گذرے تھے کہ اسی مضمون کا ایک اور معاہدہ ۱۸۰۰ء میں سرکار نظام اور کمپنی کے مابین انجام پذیر ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے وہ قیود جنکے مطابق امدادی فوج کا استعمال معمولی معاملات بندوبست زر مالگذاری کی وصولی وغیرہ میں نہیں ہوسکتا تھا اٹھالی گئیں سرکار نظام کو

معمولی موقعوں پر استحصال مالگذاری کیلئے بھی مکمل فوجی امداد دینے کی قرار داد ہوگئی۔ فرمانروائے حیدر آباد نے بلاری اور کڑپا جیسے زرخیز اضلاع اس غیر محدود فوجی امداد کے معاوضہ میں دیدیئے۔ کڑپا اور بلاری کے اضلاع کا عطیہ شمالی سرکار کے بعد دوسرا عطیہ تھا۔

تاریخی براہین

ہر غیر جانب دار نقاد اس بات کو تسلیم کریگا کہ مذکور الصدر معاہدات میں تمام تاریخی براہین موجود ہیں۔ انکے پڑھنے کے بعد ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہتا کہ کنٹنجنٹ فوج کی ترتیب بردستی عمل میں آئی تین مختلف معاہدات میں جو نصف صدی پر پھیلے ہوئے ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بار بار وعدہ کیا تھا کہ نظام سرکار کو جسطرح کی بھی فوجی امداد کی ضرورت ہوگی وہ دیتی رہیگی۔ اسکا کافی سے زیادہ معاوضہ اعلیحضرت نے ایسے اضلاع کی تفویض کی صورت میں کردیا تھا کہ جسکی قیمت برطانوی حکام کے مطابق بھی لاکھوں پونڈ تھی۔ ان واقعات پر ہر شخص یہی رائے قائم کریگا کہ حیدر آباد کنٹنجنٹ کا قیام اُن فرائض کی انجام دہی کیلئے جو در اصل اعانتی فوج کے فرائض منصبی تھے اور جسکے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ساحلی وسیع اضلاع کا الحاق کیا تھا اور جو آجکل سرکار انگریز کو ایک کروڑ کا محاصل دے رہے ہیں۔ تاریخ کی ایک زبردست ترین بے انصافیوں میں سے ہے۔ ایک ہی چیز کے لئے دو مرتبہ سرکار نظام سے بجبر معاوضہ

لینا ایک ایسی سیاست ہے جسکی تمثال کا خود ہندوستان میں بھی ڈھونڈھ نکالنا دشوار ہے۔ غرضکہ ۱۸۱۶ء میں سرکارِ نظام کو امدادی افواج کی اعانت سے محروم رکھکر جو اعلیٰحضرت کے روپیوں سے قائم کیگئیں تھیں مزید ایک اور فوج حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے قائم کردیگئی۔ انچاس برس بعد کنٹنجنٹ کے اخراجات کے معاوضہ میں برار کی سپردگی عمل میں آئی۔ اسکے بانیوں نے زخموں پر نمک پاشی کرنے کیلئے اس حقیقت کو زیرِ نقاب رکھنے کی کبھی سعی بھی نہیں کی کہ کنٹنجنٹ انھیں خدمات کی انجام دہی کیلئے مقرر کیگئی تھی جو دراصل امدادی افواج کے فرائضِ منصبی تھے۔ خود کنٹنجنٹ فوج کی تاریخ، اسکے ضامنوں کی سازش، اسکے بیجا اخراجات، اور سرکارِ نظام کے کروڑوں روپیوں کا اصراف برطانوی تاریخ کا ایک اور تاریک باب ہے جسپر اس مضمون میں بحث کرنا نا ممکن ہے۔ حیدرآباد اور برار کی تاریخ کے اس شعبہ میں لرزانے والی تحقیقاتوں اور انکشافاتوں کی ابھی بہت گنجائش ہے۔ اگر کوئی پرجوش مورخ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے تو ایک بہت بڑی قومی خدمت ہوگی۔ اول مرتبہ لوگوں نے سرکارِ نظام کے تاریخی مکتوب سے یہ بات معلوم کی کہ کنٹنجنٹ فوج کی تخلیق کے متعلق حکومتِ برطانیہ اور سرکارِ نظام کے مابین کسی قسم کے معاہدہ کا وجود نہیں۔ خود لارڈ مٹکاف جیسی ہستی نے جو اس زمانہ میں گورنر جنرل کے منصب پر فائض تھے اپنی یادداشت مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۳۲ء

میں اسکی نسبت لکھا ہے کہ "دراصل یہ ہم میں اور راجہ چندو لعل میں ایک مشترکہ معاملہ ہے" حکومت ہمارے ایک اور رکن سر فریڈرک کری اپنی یادداشت ۲ اپریل ۱۸۹۳ء میں یہ بات درج کئے بغیر نہ رہ سکے کہ "یہ کنٹنجنٹ مسٹر رسل رزیڈنٹ اور چندو لعل وزیر کی سازش معلوم ہوتی ہے اور سرکاری طور پر حکومت ہند یا سرکار نظام کی کنٹنجنٹ سے متعلق منظوری نہیں حاصل کیگئی"

میں یہاں اتنی بات اور بڑھاؤں گا کہ میجر مور نے بھی جو عدالت نظماء دالیٹ انڈیا کمپنی کے ایک رکن تھے اپنی ایک یادداشت میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ "نظام کنٹنجنٹ کو رکھکر اسکے اخراجات انھیں فرائض کی انجام دہی کیلئے ادا کر رہے ہیں جنھیں انجام دینے کا حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا اور جن کیلئے وہ معاوضہ بھی لے چکی تھی"

چندو لعل کی سازش

یہ واقعات ہیں جنکی بنا پر عارضی تفویض برار اور اسکے بعد ۱۹۰۲ء میں برطانوی حکومت کو دوامی پٹہ پر سپردگی عمل میں آئی۔ بالآخر لارڈ ڈلہوزی کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا تھا کہ کنٹنجنٹ کے قائم رکھنے کیلئے اعلیحضرت نظام کسی معاہدہ کے پابند نہ تھے اور ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے اعلیحضرت نظام پر اسکی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ سرکار نظام کو ایک ایسی فوج کے قیام کیلئے چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے

پڑے جسکے قیام کی انھوں نے کبھی منظوری نہیں دی تھی۔ جیسا کہ کنٹنجنٹ
کے بانیوں کا گمان تھا نظام اس خطیر رقم کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔ چندو لعل
جو در اصل ریزیڈنسی کا اہلکار تھا اسکی "وفا کیشانہ" خدمات کی وجہ سے
ریاست حیدر آباد کی مالی و اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ اور
جبراً ۱۸۵۳ء کا معاہدہ نظام کے گلے مار دیا گیا۔ جن لوگوں نے اس
پر آشوب زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے پوری طور پر واقف ہیں
کہ چندو لعل کی دلپذیر چالیں اگر الٹی نہ پڑتیں تو "حیدر آباد کے وزراء میں یہ
سب سے زیادہ غدار اور سب سے زیادہ خود رائے وزیر" اپنے آپ کو
ریاستِ حیدر آباد کا مالک بنا بیٹھتا۔ اسکو نظام کے فوجی صیغہ پر شخصاً
بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی۔ ایسی بیدردی سے ریاست کے مالیہ کا
اپنا شخصی اقتدار قائم رکھنے کیلئے اسراف کرتا تھا کہ بعض اوقات اس
اسراف پسند زمانہ کے افراط کا تخیل بھی لرز جاتا تھا۔ اور ریزیڈنٹ کو بھی
اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس سے کسی قسم کی بازپرس کرے۔ تیرو (روما) کا
ایک عیش پرست بادشاہ کیطرح لہو و لعب میں ڈوبکر ریاست کے مالیہ برباد
و تباہ کرنے کی اسنے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ مگر افسوس تو یہ ہے
کہ اس توجہ خیز حالت کا "تہذیب یافتہ" سلطنت برطانیہ کے رزیڈنٹ سے
زیادہ اور کوئی ذمہ دار نہ تھا۔ حتی کہ منیر الملک کا وزارتِ عظمیٰ پر تقرر صرف اس

شرط پر منظور ہوا کہ اصل اختیارات چندو لعل کے ہی ہاتھ میں محفوظ رہیں۔

نظام پر دباؤ

اس بات کے ثبوت کیلئے ناقابل تردید شہادت موجود ہے کہ ۱۸۵۳ء کا معاہدہ جسکی رو سے کنٹنجنٹ کے اخراجات کیلئے تفویض برار عمل میں آئی۔ اعلیحضرت نظام کی مرضی کے خلاف انجام پایا تھا۔ ریزیڈنٹ کرنل دیوڈسن جنکے سامنے اس معاملہ پر گفت و شنید ہوئی تھی ایمانداری سے اتنا لکھ گئے ہیں کہ نظام نے دباؤ میں آکر اپنے قرضہ کو تسلیم کیا اور کبھی آپنے اسکا اعتراف نہیں کیا کہ واقعتاً یہ رقم واجب الادا تھی" کرنل دیوڈسن یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر اس مطالبہ کو غیر جانبدارانہ نظروں سے دیکھا جائے تو انگریزوں کو دراصل سرکار نظام سے کسی بھی مطالبہ کا حق نہیں۔ کرنل موصوف نے بلا شبہ اس تخفیف کردہ فوج کا حوالہ دیا ہے جو سالہا سال تک قائم رہی حالانکہ برطانوی خزانہ کو کنٹنجنٹ کی پوری رقم ملتی تھی۔ انکا اشارہ آبکاری کی اس ایک لاکھ سالانہ رقم کیطرف بھی تھا جو تقریباً نصف صدی تک ناجائز طور پر انگریزی خزانہ میں جمع ہوتی رہی۔

برطانوی چالوں کی نسبت ولفرڈ بلنٹ کی تحریر قابل غور ہے عہد رپت کا یہ مورخ لکھتا ہے کہ حکومت نے قرض کے عوض بطور رہن مذکورہ اضلاع کو جو نظام کے علاقہ میں سب سے زیادہ زرخیز تھے حاصل کیا

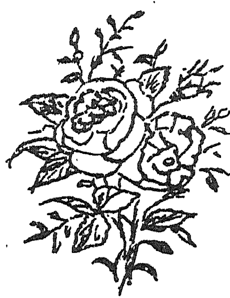
اور یہ باہمی معاہدہ ہوا کہ جب تک قرضہ ادا نہ ہو جائے اسکا نظم و نسق حکومت کے سپرد رہیگا۔ اس تصفیہ سے فطرتاً اس بات کا موقع ملگیا کہ انگریزوں اور ارکینِ سول سروس کو زیادہ تعداد میں مناصب ہاتھ آئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ انکی تصفیہ شدہ پالسی ہوگئی کہ اس امر کو ناممکن کریں کہ صوبہ برار پھر نظام کو واپس مل سکے۔ اس نقطۂ نظر سے اس صوبہ کا نظم و نسق نہایت عمدگی سے اعلیٰ پیمانہ پر چلایا گیا محاصل کم رکھے گئے اور کسانوں کو برطانوی عملداری سے راضی رکھنے کیلئے ساری چالیں چلی گئیں حتیٰ کہ وہ اکثر برطانوی حصص کے کسانوں سے ایک نہایت ہی نمایاں حیثیت رکھنے والے بنگئے۔ اسکی مطلقاً امید نہ تھی کہ نظام اپنا قرض ادا کرینگے لیکن یہ بات اسیوقت سوچ لیگئی تھی کہ اگر کبھی وہ اس قابل ہوئے تو پھر ان صوبجات کی خوشحالی انکار استرداد کی بنیاد اور سبب قرار پاسکیگی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ سالار جنگ نے جو ایک عظیم الشان قابلیت کے مدبر تھے نہ صرف دکن ہی میں امن و امان قائم کیا بلکہ حیدرآباد کے مالیہ کو ایسا بہتر بنا دیا کہ آپنے لاکھوں روپیہ مستعار لیکر اپنا قدم اس معاملہ میں آگے بڑھایا اور اسی بنیاد پر استردادِ برار کا دعویٰ پیش کیا جسکی وجہ سے انکی مخالفت شروع ہوگئی اور انکے انتقال تک جاری رہی لیکن یہ دعویٰ ویسا ہی قائم رہا اور اسپر کسیطرح کی حجت بھی نہیں

ہوسکتی تھی اسلئے کہ یہ ایک ایسے معاہدہ کی صورت میں قائم تھا جو دو سلطنتوں کے مابین کیا گیا ہو۔ مگر نظام کی کمسنی اور اس کے طاقتور وزیر اعظم کی موت سے فائدہ اٹھاکر اس دعوے کو التوا میں ڈالدیا گیا۔" اس حق پسند انگریز نے ان سازشوں کا بھی انکشاف کیا ہے جو نظام سے برار کے دوامی پٹہ کے حاصل کرنے کیلئے کی گئیں تھیں۔ مگر یہ "اعلیٰ مطلب براری" کے اصول آخر کار لارڈ کرزن کے ہاتھوں انجام کو پہنچے۔

تاریخی ملاقات

اس طویل ڈراما کا آخری ایکٹ اور اس درد ناک فسانہ کا آخری باب سنہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ ہے۔ متوازن دل و دماغ کا کوئی شخص بھی ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیحضرت نظام کے اس بیان پر اعتراض نہیں کرسکتا کہ ہز ہائینس میر محبوب علیخاں کی رضامندی اگر جبر نہیں تو سخت دروغ بیانی کے ساتھ حاصل کی گئی تھی۔ ریزیڈنسی کی اس تاریخی ملاقات میں جس ایک چیز نے لارڈ کرزن کو کامیاب کیا وہ ان کا بیان تھا کہ سنہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی رو سے اعلیٰ حضرت نظام برار کو کبھی واپس نہیں لے سکتے۔ یہ نہ صرف ایک گمراہ کرنے والا بیان تھا بلکہ سنہ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی دفعہ چھ کی صاف و صریح خلاف ورزی تھی جسکی

عبارت یہ ہے کہ برطانیہ نے برار کو اپنے قبضہ میں اسلئے امانتاً رکھا ہے کہ "حیدرآباد کنٹنجنٹ افواج کے اخراجات کی ادائیگی ہوتی رہے" ایسی حالت میں ہزہائینس میر محبوب علیخاں کی "رضامندی" کسیطرح حقیقی رضامندی سے تعبیر نہیں کیجا سکتی۔ گویا کہ یہ ساری باتیں غیر متکفی تھیں دوامی پٹہ کے بعد ہی برار کو صوبۂ متوسط میں جذب کرکے اک فاش آئینی غلطی کا ارتکاب کیا گیا۔



باب سوم

سیاسی پہلو

اس مکتوب کی اشاعت نے جو کہ اعلیٰ حضرت اقدس نظام دکن نے گذشتہ اکتوبر میں والسرائے کے نام استردادِ برار کے متعلق تحریر فرمایا تھا نہ صرف اس صوبہ کے سیاسی حلقوں میں بلکہ تمام ہندوستان میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔

حقیقتاً یہ مسئلہ سارے ہندوستان کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس کے تصفیہ کا اونٹ چاہے کسی کروٹ بیٹھے یہ امر یقینی ہے کہ اسکا نتیجہ سیاسی مطلع نظر پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ مسئلہ ایسا اہم ہے کہ جب تک ہندوستان کے بہترین اہلِ دماغ اسکو اپنے ہاتھوں میں نہ لیں اسوقت تک اسکا کوئی اطمینان بخش حل ممکن نہیں۔ باوجودیکہ اس مسئلہ کی اہمیت سیاسی نکتہ نگاہ سے مسئلہ ناٰبھا سے بھی زیادہ ہے افسوس کہ کسی قومی نظام نے ابتک اپنی توجہ اسطرف مبذول نہیں کی۔

مجوزہ استردادِ برار کے خلاف جو دلیل شد و مد کیساتھ پیش کیجاتی ہے

وہ یہ ہے۔ چونکہ حیدرآباد میں بے نقاب مطلق العنانی ہے لہذا برار حضرت نظام دکن کو واپس نہ دینا چاہیئے۔ متذکرہ صدر طرز استدلال سے ایک مضحکہ انگیز کیفیت دماغی کا اظہار ہوتا ہے اگر یہ مدہوش حماقت نہیں تو ایک طرفہ منطق تو ضرور ہے کہ برار کے سوراج کو اسلیئے ہاتھ سے کھو دیا جائے کہ حیدرآباد کی رعایا کو اب تک حکومت خود اختیاری نہیں ملی۔ کیا اس استدلال سے سوائے برطانی حکومت کے باشندگانِ حیدرآباد یا ہندوستان کی کسی اور قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

فرض کیجئے کہ اس استدلال سے برطانی حکومت نے فائدہ اُٹھایا اور اس بنا پر برار اعلیحضرت نظام دکن کو واپس دینے سے انکار کردیا کہ برار کے باشندے اپنے آقا کا تبادلہ نہیں چاہتے (اور آخر کار برطانوی مدبر کی امداد یہی استدلال کریگا) تو اسکا کیا نتیجہ ہوگا؟ کیا ہندوستان کے کم از کم ایک صوبہ میں سوراج کی ابتدا ملتوی نہ ہوجائیگی؟ اس کے برخلاف اگر نظام کے تحت برار کو کامل خود اختیاری حکومت حاصل ہو جائے تو کیا اعلیحضرت کے مملکت کے دیگر حصص کو بھی بطرز سلطنت ملنے کی اُمید نہ پیدا ہوجائیگی؟ یہ امر یقینی ہے کہ ایسی حالت میں حیدرآباد ی بھی بہت جلد براریوں کے ہم صف ہونے کی جد وجہد کرینگے۔ کیونکہ ایک ہی حکمراں کے تحت جمہوریت اور مطلق العنانی کی بے ضابطگی دواماً قائم

نہیں رہ سکتی۔ برار کی سیاسی ترقی کیوجہ سے حیدرآباد کے کثیر باشندوں
کی قسمتیں سنور جائینگی اور وہ اس قابل ہو جائینگے کہ ذمہ دار حکومت
مستقبل قریب میں حاصل کرلیں۔ بیڑے کا تیز ترین جہاز ہی ہمیشہ بڑے
کی رفتار کو تیز رکھتا ہے۔ برار کے اس سیاسی تجربہ سے بقیہ ہندوستان
کو ضرور بیشمار بلا واسطہ فائدے پہنچینگے۔

جب ایک مقابلتہً پس افتادہ صوبہ جیسا کہ برار ہے حکومت خود اختیاری
حاصل کرلے تو پھر بنگال۔ مدراس یا بمبئی جیسے زیادہ پیش رو صوبے
کیسے جمہوریت سے محروم رہ سکتے ہیں؟ دیگر ہندوستانی ریاستوں کے نظم و
نسق پر بھی وہ معتد بہ اثر پڑیگا جسکا پورا پورا اندازہ فی الحال نہیں ہو سکتا غالباً
ایسی حالت میں کسی مالکم ہیلی کو "دیسی ریاستوں" کے مسئلہ پر زبان فصاحت
کھولنے کا بہت کم موقع ملے گا۔ عدالتی زبان کے متعلق بعض برار کے
ہندو لیڈروں کو جو اعتراض ہے اسکا تصفیہ نہایت آسانی کے ساتھ
ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام کے صرف ایک اعلان کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔
یہ بہت ہی قابل افسوس بات ہے کہ تعلیمیافتہ جماعت کا ایک گروہ مہاتما
گاندھی کے اس مرغوب خاطر خواب کو پورا کرنے کے مساعی سے متنفر ہے
جنکا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی یا اُردو زبان کو ہندوستان کی قومی زبان
بنایا جائے۔ رہا یہ خوف کہ شاید اعلیحضرت اقدس ایک ہاتھ سے دیئے

ہوئے مراعات کو دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیں میں نہیں سمجھتا کہ اس دلیل کا کوئی جواب لکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر سارے مقدس معاہدوں اور اعلانات کیساتھ ایک ردی کاغذ کے پرزے کا سا سلوک کیا جائے تو دنیا کا کاروبار ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ کیا کوئی شخص اسکی ضمانت دیسکتا ہے کہ مجوزہ ہندو مسلم میثاق کا ہمیشہ احترام کیا جائیگا۔ اگر بفرض محال اعلیحضرت نظام ایفائے عہد نہ کریں تو جو قوم دنیا کی طاقتور بلند تر برطانوی حکومت سے ہندوستانیوں کے احساسات کا احترام کرا سکتی ہے وہی قوم اعلیحضرت نظام کو بھی مجبور کرسکتی ہے کہ وہ اپنے اعلان کی خلاف ورزی نہ کریں۔

یہ بڑی بدبختی ہے کہ بعض خودغرض لوگ حیدرآباد اور اسکے فرمانروا کی نسبت متعدد بے بنیاد اور غلط خبریں پھیلا رہے ہیں آجکل یہ بات فیشن میں داخل ہے کہ ہندی ریاستوں کے نظم و نسق کو برا بتایا جائے۔

یہ تعلیم ہمیں ہمارے بدیسی آقاؤں نے بڑی محنت و مشقت سے دی ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں میں برطانوی علاقہ کی نسبت بہت زیادہ رواداری پائی جاتی ہے یہ کوئی معمولی منظر نہیں کہ ہندو جیسے پورے مدار المہام مسلمان ہو یا مسلم حیدرآباد میں ہندو۔ جو لوگ حیدرآباد کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مسلسل

یعنی ہندو مدار المہاموں نے قرنوں تک کیسے زبردست اختیارات
کے ساتھ حیدرآباد میں حکمرانی کی۔ ہندو منادر کے نام انعامات
اور گائے کی قربانی کے متعلق امتناعی احکامات کے نسبت مستقل
سے کسی رائے زنی کی ضرورت ہے مخالفینِ استرداد کو اس تجویز
کی مخالفت پر کمر باندھنے سے قبل ذرا صورتِ حال پر ٹھنڈے دل سے
غور کر لینا چاہیئے کہیں انکی کوتاہ اندیشی اُن حقیقی مفاد کو نقصان نہ پہنچائے
جنکی بہی خواہی کا انھیں شد و مد سے دعویٰ ہے۔



باب چہارم

سیاسی مفہوم

جسطرح کہ ساری اہم باتوں کا معمول ہے مجوزہ استرداد برار کے اصل مفہوم اور اسکے ہمہ وجوہ مقدرات کو بہت کم لوگ سمجھے ہیں یہ ایک حیرت انگیز نفسی منظر ہے کہ طبع انسانی واقعات کو وہیں تاریک اور خلط ملط کرنے پر مائل ہو جاتی ہے جہاں وہ بہت صاف ہوتے ہیں۔ یہ بات چاہے عجیب ہی کیوں نہ معلوم ہو لیکن امر واقعہ ہے کہ واقعات کی عین تابناکی چوندھیانے والی تیز روشنی کیطرح بعض مرتبہ نظر کو چکا چوند کر دیتی ہے اور فہم و فراست پر کہر پھیلا دیتی ہے "کیوں اور کس لئے" کی کرید کی عادت بد کا عادی انسان ایک نامعلوم موہوم کی تلاش میں ایک ظاہر و باہر کے دیکھنے کی بینائی بھی کھو بیٹھتا ہے سیدھے سادھے بیانات کی پر مغز تفسیریں جو خود مصنف کے تخیل کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ پیدا کرنے کیلئے کافی ہیں بڑی کثرت سے ادبیات و سیاسیات کے طلبہ کو ملتی ہیں۔ اگر یہ انسانی میلان موجود نہ ہوتا تو رائی کا پہاڑ بنانے کا دائمی کھیل سیاست میں شامل نہ ہوتا۔ استرداد برار کا اصل مفہوم اہل برار کیلئے کیا ہوگا اسکا بیان ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اس تاریخی مکتوب کے فقرہ

بتلفیس ۲۳ میں مجملاً موجود ہے جسکو میں بغیر کسی معذرت کے ذرا وسعت کیساتھ یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں ہز ایگزالٹیڈ ہائینس تحریر فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوں کہ باشندگان برار اپنی قسمتوں کی تشکیل کا کام اپنے ہاتھوں میں لیں اور اس غرض کیلئے میں آمادہ ہوں کہ اس صوبہ کے استرداد پر نظم ونسق میں ایک ایسا اتحاد عمل جو آجکل برطانوی ہند میں کہیں موجود نہیں ہے اہل برار کو تفویض کردوں اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں اپنے صوبے کے واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو وثیقۂ استرداد یا کسی اور سرکاری دستاویز میں (جو تحریر کیا جائے) رائے عامہ کے تحت ایک ذمہ دار حکومت کے دستور کی معین دفعات داخل کردوں گا۔ یہ ذمہ دار حکومت جو میرے نائب کے زیرنگرانی ہوگی اندرونی معاملات میں پوری پوری خودمختار ہوگی اور صرف میرا فوجی محکمہ اور برطانی حکومت سے میرے تعلقات اسکے اختیار سے مستثنیٰ ہونگے۔" اس سے زیادہ معین الفاظ کا تصور دشوار ہے جنمیں صوبہ برار کو ملنے والے مجوزہ دستور کے اصول بیان کئے جاسکتے ہیں اگر اصول کو ایکبار تسلیم کرلیا جائے تو پھر خود عوام کے نمایندے اس دستور کی تفصیلات قائم کرسکتے ہیں۔ اسلئے کہ جب ایکبار اقتدار عامہ کا اصول مان لیا گیا تو پھر حکومت کی ٹھیک ٹھیک شکل وصورت کی درستی خود شہریوں پر فرض ہوجاتی ہے۔ ہر شخص جو دستوری تاریخ سے آشنا ہے جانتا ہے کہ اول اول صرف مجوزہ دستوری اصولوں کا اعلان کیا جاتا ہے اور تفصیلات کا بعد میں غور وخوض ہوتا ہے۔ جب اسٹر لیاکو

دولتِ عامہ اور کنیڈا کو ایک خود اختیار سلطنت بنایا گیا تو سب سے پہلے دستور کے بڑے بڑے اصول ہی بیان کئے گئے تھے کئی ماہ کے بعد لارڈ ڈرہم نے حکومت کی تفصیلات کا تصفیہ کیا تھا ہر چا بنا برانتقاد مان لیگا کہ سرکارِ نظام کے الفاظ اگر زیادہ نہیں تو اتنے ہی واضح ضرور ہیں جتنا کہ ۲۰۔ اگسٹ کا وہ مشہور اعلان تھا جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۱۹ء کی شکل میں انجام کو پہنچا۔ جو شخص بھی اعلیحضرت کے مکتوب کا انتیسواں فقرہ پڑھے گا وہ ایک لمحہ کیلئے بھی اسکی حقانیت پر شبہ نہیں کرسکتا اگر خود اعلیحضرت تفصیلات ترتیب دیتے تو یقیناً وہ عین اس اصول خود اختیاری کی ایک شوخ نفی ہوتی جسپر آجکل بعض لوگ بلا حقیقی مفہوم سمجھے بڑی روانی سے گفتگو کررہے ہیں

اس فقرہ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ باشندگانِ برار کو سوائے محکمہ جات فوج وامورِ خارجیہ کے تمام محکموں میں کامل حکومتِ خود اختیاری حاصل رہیگی اور پورا پورا اقتدارِ عامہ رہیگا۔ بالفاظِ دیگر ڈائی آرکی یا حکومتِ دوعملی نہیں ہوگی اور امورِ سلطنت "مفوضہ و محفوظہ" شعبہ جات میں تقسیم نہ ہونگے۔ مالیہ۔ نظامیہ (پولیس)۔ اور عدالت جیسے اہم شعبے عوام کے اقتدار میں ہونگے اور انکا میزانیہ (بجٹ) مجلسِ واضعِ قوانین کی رائے کا محتاج ہوگا اور قومی تعمیر کے محکموں کی نیم فاقہ کشی جسکا مشاہدہ گذشتہ تین سال سے ہندوستان میں ہورہا ہے ناممکن الوقوع ہوجائے گی۔

فوج اور امورِ خارجیہ کیوں محفوظ کئے گئے ہیں

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خود سرکارِ نظام کو معاملات خارجیہ پر پورا پورا اقتدار حاصل نہیں یہ معاملات

سرکار انگریزی کے قبضہ میں ہیں۔ ایک شخص یقیناً وہ چیز کبھی کسی کو نہیں دے سکتا جس کا کہ وہ خود مالک نہ ہو۔ رہا فوج کے اقتدار کا معاملہ۔ اگر اعلیحضرت نظام کی خواہش بھی ہو تب بھی برطانی حکومت کم از کم ایک قرن اسکی اجازت نہیں دیگی۔ اگر موجودہ رفتار کو چار چند بھی کر دیا جائے تو ہندوستان کی فوج سالہا سال تک ہندوستانی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستانیوں کا فوجی اقتدار تو علیحدہ مسئلہ ہے لارڈ رالنسن نے مجلس قانون کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "جس طریق واحد کے ذریعہ سے ہندوستانی کمیشنڈ آفسر ہو سکتے ہیں وہ صرف تعلیم ہے۔ موجودہ فن جنگ ایسا پیچ در پیچ اور سائنٹیفک ہو گیا ہے کہ اس فوجی مسئلہ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک برطانوی افسر کو ایک پلٹن کی کمان کرنے کے قابل بنانے کیلئے بیس۲۰ پچیس۲۵ سال کی مدت لگتی ہے اور چالیس۴۰ برس کے تجربہ کے بعد آپ کا وہ کمانڈر انچیف تیار ہوا ہے جو اپنی ساری خامیوں کیساتھ آپکے آگے موجود ہے۔ میں نے یہ بات بڑی حیرت سے سنی ہے کہ ہندوستان کے اکثر اشخاص کا یہ خیال ہے کہ ایک قرن یا اس سے بھی کم مدت میں ہندوستان کی تمام فوج کو ہندوستانی بنایا جا سکتا ہے۔ میں اس بے حسی سے متحیر ہوں جس سے اس مسئلہ پر نظر ڈالی جا رہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ کمانڈر انچیف کی اس عبارت سے بہت سے بے سروپا شکوک رفع ہو جائینگے اور فوجی معاملات میں برٹش پالیسی کا اندازہ لگ جائیگا۔ سوراج پارٹی نے خود جو سب سے بڑا مطالبہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ فوج۔ بحریہ۔ اور دفتر خارجیہ کے

سوا سارے شعبہ جات کو قوم کے حوالہ کر دیا جائے۔ ہندوستان کا ایک بھی ذمہ دار مُدبّر ایسا نہیں اور اسمیں جنگجو صوبہ پنجاب بھی شریک ہے جسکا یہ مطالبہ ہو کہ فوج بھی فی الفور ہندوستانیوں کے قبضہ میں دیدی جائے۔ سوراجی مطالبات سے بھی زیادہ مراعات کی اعلیحضرت نظام سے موجودہ حالت میں توقع کرنا ایک صریح ہٹ دھرمی ہے۔

شدنی دستوری تغیرات

میرا خیال ہے کہ میں نے اُن وسیع اختیارات کو اچھی طرح ظاہر کر دیا جو استردادِ برار پر براریوں کو ملینگے اور غالباً یہ بات واضح کر دی ہے کہ اعلیحضرت نظام جو دستور دینا چاہتے ہیں وہ سوراجیوں کے تمام مطالبات کو پورا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں پنڈت موتی لعل نہرو کی اُس تقریر کا مطالعہ ضروری ہے جو مجلسِ قانونی کے گذشتہ اجلاس میں سوراجیوں کے لیڈر کی حیثیت سے اُنھوں نے کی تھی اور مسٹر سی۔ آر۔ داس کے اُس بیان کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو اُنھوں نے وزارت سے انکار کرتے ہوئے لارڈ لیٹن کے سامنے پیش کیا تھا اور جسکا اعادہ قریب قریب اُنھیں الفاظ میں ڈاکٹر مونجے نے ناگپور میں کیا تھا۔ ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اشتراک عمل کی راہ میں واحد رکاوٹ دوعملی تھی جسکو اعلیحضرت نظام ابتدا ہی سے برار کے مجوزہ دستور سے خارج کر دینا چاہتے ہیں لیکن بعض ایسے حضرات ہیں جنھوں نے اس یقین کو بڑے شوق سے سینے میں پال رکھا ہے کہ برطانوی ہند کے شدنی دستوری تغیرات اُنھیں ایک نئی زمین فراہم کر دینگے۔ ان کا خیال ہے کہ بہت جلد انکے سامنے

سیاسی مطالبات کی تشفی ہو جائے گی اور ایسی حالت میں نظام کے مجوزہ خود اختیاری دستور کا قبول کرنا کوئی زیادہ سود مند ثابت نہ ہوگا۔

میں مندرجہ ذیل چند سطور میں یہ بات واضح کر دونگا کہ یہ امیدیں کیسی بے بنیاد اور موہوم ہیں بسر کر دگی مسٹر ریمزے میکڈانلڈ عمالی وزارت کی ترتیب نے اُن توقعات کو پیدا کر دیا تھا جو صورتِ حال کی زشت حقیقتوں کی موجودگی میں کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ مسٹر میکڈانلڈ کا نام ایکمرتبہ کانگریس کی صدارت کیلئے تجویز کیا گیا تھا اور وہ ایک سے زیادہ کانگریسیوں کے شخصی دوست ہیں اُن توقعات کا پیدا ہونا کوئی تعجب انگیز نہ تھا۔ مگر وہ ہندوستانی جنکی امیدیں لیبر پارٹی سے وابستہ تھیں یہ فراموش کر گئے تھے کہ گو لیبر پارٹی برسرِ حکومت ہو مگر اسکو دار العوام میں پورا پورا اقتدار اور اکثریت حاصل نہیں۔ اور چونکہ اُسکا دار و مدار لیبرل پارٹی (جماعتِ احرار) کی مدد پر تھا اسلئے وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی تھی جو پارلیمنٹ میں مخالفت پیدا کر کے لیبر یا عمالی گورنمنٹ کو معرضِ خطر میں ڈالدے۔ وہ حضرات یہ بھی بھول گئے تھے کہ ہندوستان کی سلطنت کا تعلق انگلستان کی کسی خاص پارٹی سے کبھی نہیں رہا اور ہر محبِ وطن انگریز خواہ کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو اس درخشاں جوہر کو ہمیشہ برطانوی تاج کا سب سے نورانی ہیرا خیال کرتا رہا۔ مہاتما گاندھی جنھیں انگریزی سیاسیات کے اندرونی معاملات سے کماحقہٗ واقفیت تھی اُنھوں نے شروع ہی میں ہندوستانیوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ اُنکی توقعات لیبر پارٹی یا عمالی جماعت کبھی پوری نہ کریگی۔ یہ پیشینگوئی سر مالکم ہیلی نے گذشتہ اجلاس اسمبلی منعقدہ

دہلی میں پوری کردی اور ہندوستانیوں پر ظاہر کردیا کہ ہنوز دلی دور است۔ اُنکی تقریر جو اُنھوں نے سلطنت کے نمائندے کی حیثیت سے کی تھی صاف بتلاتی ہے کہ ہندوستانی مطالبات ابھی کئی سال تک پورے نہیں ہوتے نائب وزیر ہند نے اُنکی تقریر کے کچھ دنوں بعد ہی اُنھیں اعلانات کو دارالعوام میں اور وزیر ہند نے دارالامراء میں دُھراکر ہندوستانیوں کی بڑی بڑی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وزیر اعظم رمیزے میکڈانلڈ کی پارک کی تقریر نے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا کہ وہ دستوری مراعات جو ہندوستانیوں کو علاقۂ انگریزی میں فی الحال ملنے والے ہیں وہ بالکل غیر تشفی بخش ہونگے اور اُن مراعات کے سامنے جو اعلیحضرت نظام براریوں کو دینے کیلئے تیار ہیں ہیچ ہونگے۔ اب تو کنزرویٹو پارٹی نے صورت حال کو بالکل تبدیل کردیا ہے اور غالباً عراق سے تریاق کے آنے تک تریاق کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی اگر اس پر بھی ہندو حضرات جنکے ہاتھ میں برار کی سلطنت کی باگ ہوگی استرداد برار کی مخالفت کریں تو سوا اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے اہل وطن کا تعلیمیافتہ طبقہ بھی تعصب سے مبرا نہیں۔ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

بعض ایسے لوگوں کے دماغوں پر مسئلہ ضمانت تسلط کئے ہوئے ہیں جنکے تخیلات ہر نوکے مکاشفات کی فراہمی سے کبھی نہیں چوکتے۔ سارے توڑے ہوئے پیمانوں اور پھاڑے ہوئے عہدناموں کے باوجود جنکے پرزے عرصۂ عالم میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک سلطنت دوسری

سلطنت کے وعاروں پر بھروسہ کرتی ہے۔ اور جبتک انسان سیاسی وجود کے دائرے سے نکل نہ جائے ہمیشہ ہی ایسا کرتا رہیگا۔ اس محاربۂ عظمیٰ کے چند ماہ کے اندر ہی اندر جسنے موجودہ شائستگی کی چولیں ہلادیں اور دنیا کو دکھادیا کہ کسطرح شوخ نگاہی سے معاہدوں کی خلاف ورزی کیجا سکتی ہے۔ لیگ اقوام کو ایک دوسرا معاہدہ قلم بند کرنا پڑا۔ معاہدات متمدن قوموں کی روح ہیں۔ خود ہندوستان میں اسکی مثال موجود ہے۔ ہندوستانی اس علم کے باوجود کیوں سوراج کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہی پارلیمنٹ جو انھیں ایک ہاتھ سے سوراج دیسکتی ہے دوسرے ہاتھ سے اس کو واپس بھی لے سکتی ہے؟ صرف اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس عہد میں جبکہ صدیوں کی پرانی بادشاہتیں کچی دیواروں کیطرح ڈھائی جارہی ہیں اور رائے عامہ کو ایک ایسی طاقت حاصل ہوگئی ہے جسکی شائستگی کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی کوئی ریاست بھی خواہ وہ کتنی ہی مطلق العنان اور طاقتور کیوں نہ ہو اپنی رعایا کی متحدہ آواز کو ہمیشہ کیلئے نظر انداز نہیں کر سکتی۔ یہہ دیکھکر بعض اوقات بڑا صدمہ ہوتا ہے کہ متوازی قوۃ فیصلہ رکھنے والے لوگ بھی کسطرح بیعقلی اور کمزوری کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ یہ وہی دیرینہ شکوک و شبہات ہیں جو بعض اوقات مسلمان پر جسنے اپنے آباؤ اجداد کی جرأت کو کھودیا ہے غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اور جو کبھی ہندو پنڈتوں اور سوامیوں کو افغانی تسلط کے ہر جا موجود رہنے والے بھوت سے ڈراتے ہیں۔ اگر

ہندوستان بلا ایک گولی چلائے دنیا کی سب سے بڑی طاقتور حکومت کو اس بات پر مجبور کرسکتا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے چار سال کے اندر ہی اس پر نظر ثانی کیجائے تو کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ فرمانروائے حیدرآباد سے اپنے عہدنامے کی پابندی کرائے۔

اُن لوگوں کے یقین کیلئے جو اپنی حب الوطنی کی طویل تقریروں کے باوجود ایک انگریز کے وعدہ کو اپنے ہموطن کے وعدہ سے زیادہ مقدس اور محترم سمجھتے ہیں۔ میں یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شرائط خود اختیاری اعلیحضرت نظام اور برطانوی حکومت کے معاہدے میں داخل ہونگی اور اپنے سیاسی تعلقات کی وجہ سے دونوں فریقین ان شرائط کی پابندی کے برابر کے ذمہ دار ہوں گے تفصیلی دستور کا تصفیہ ظاہر ہے استرداد سے قبل ہوگا اسلئے کہ صرف اسی حالت میں اس دستور کو وثیقۂ استرداد میں دفعہ بدفعہ جگہ ملسکتی ہے۔



باب پنجم

آئینی و اقتصادی پہلو

مجوزہ استردادِ برار کے موضوع پر میں نے گذشتہ باب میں سیاسی نکتہ نگاہ سے بحث کی ہے۔ یہاں اس مسئلہ کے آئینی اور مالی پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا ہوں ہر وہ شخص جو سیاسی تاریخ سے واقف ہے اور یہ جانتا ہے کہ کس طرح صوبۂ برار بعض قرضہ جات کی ادائیگی کیلئے سرکار انگریزی کے سپرد کر دیا گیا اور بعد میں انتظامی اغراض کیلئے صوبجات متوسط کی ایک قسمت قرار دیا گیا اور اُن مختلف حالتوں سے بھی واقف ہے جن سے اس صوبے کے نظم و نسق کو بتدریج گذرنا پڑا ہے۔

یہ ایک اصولی سوال ہے کہ برار "غیر علاقہ" کی حیثیت سے جہاں صرف احکامات یا جلاس کونسل (محکمۂ خارجیہ) نافذ ہو سکتے تھے کیا کبھی بھی دستوراً اور قانوناً اصلاح یافتہ آئین کے تحت صوبجات متوسط سے ملحق ہو سکتا تھا؟

معاہدات کی رو سے اس صوبہ کے نظم و نسق کا اختیار گورنر جنرل با جلاس کونسل کو حاصل تھا جسنے اپنے یہ اختیارات اس صوبہ کے الحاق کے وقت صوبجات متوسط کے چیف کمشنر کو تفویض کر دیئے تھے اصلاحات کی ترویج کے بعد حکومت کے

سارے نظام میں ایک بدیہی تغیر واقع ہوا اور منتقلہ محکمہ جات کا انتظام اور حکمرانی بجائے
چیف کمشنر کے اُن وزراء کے سپرد ہوئی جو صوبجات متوسط کی مجلسِ قانونی کے
ذمہ دار نمائندے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ پٹے کے شرائط اور معاہدات کی صریح
خلاف ورزی تھی اور آئینی اور قانونی دونوں حیثیتوں سے ناجائز تھا۔ اگر مانٹ فورڈ
اصلاحات کے اجراء کے بعد برار کو ایک جداگانہ سیاسی وجود کی حیثیت سے قائم
رکھا جاتا اور اُسکی ایک مستقل مجلس وضعِ قوانین ہوتی وزراء اور گورنر ہوتے تو
یہ قانونی اعتراض ایک حد تک نہ عائد ہوتا۔ مگر اس آئینی غلطی کو قیام علی الدوام
کی سند دیدی گئی۔ میرے خیال میں اعلیحضرت اقدس نظام دکن کو یہ آئینی اعتراض
اُسیوقت پیش کرنا چاہیئے تھا جبکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ کیا جا رہا تھا اور
مجھے کامل یقین ہے کہ پٹے کی کھلی کھلی شرائط کی موجودگی میں انگلستان کا ہر
ایک مدبر اور مقنن اسکی حمایت کرتا۔ اگر کسی اور بات کا خیال نہ کیا جائے تو
صرف اس فاش قانونی غلطی کی اصلاح کی خاطر برار اعلیحضرت اقدس نظام دکن
کو واپس کر دینا چاہیئے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ صوبہ جات متوسط اور برار کے
مداخل سے برار کو کافی اور مناسب حصہ نہیں ملتا۔ یہ بالکل ناروا ہے کہ اس صوبہ کی
آمدنی سے صوبجات متوسط کی تجوریاں بھری جائیں۔ برار کی عظیم ترین بدبختی یہ
ہے کہ اُسکے مداخل کی مقدار بہت زیادہ ہے اور اُسکی بچت سے جو کئی لاکھ تک
پہنچتی ہے اُسکے مفلوک الحال دودھ بھائی صوبجات متوسط کی ضروریات

پوری کیجاتی ہیں۔ راؤ بہادر آر۔ ایم۔ مدہولکر متوفی جیسی شخصیت نے یہ حساب لگایا تھا کہ پندرہ سال کے عرصہ میں برار کی آمدنی سے تین سو سے لیکر تین سو پچاس لاکھ روپیہ تک اسطرح استعمال کیا گیا کہ گویا صوبجات متوسط کی آمدنی تھی۔ اور صوبجات متوسط کے اضلاع کے اخراجات پر یہ کثیر رقم خرچ کیگئی۔ یہ کوئی اس صوبہ کی خطا نہیں ہے کہ خدائے کریم نے اسکو ایسی زرخیز زمین عطا کی ہے جہاں دنیا کی بہتر سے بہتر فصل پیدا ہوسکتی ہے اُس اختیار کا قیاس ناممکن ہے جسکے تحت برار کی آمدنی کو پچمڑھی کی چوٹیوں کی سڑکوں پر صرف کیجا سکتی ہے جہاں سرکاری دیوتا پر فضا آب وہوا میں میدانوں کی سخت دھوپ سے بچکر زندگی کے دن بڑے لطف سے کاٹتے ہیں۔ یا جبلپور چھاؤنی کی سڑکوں پر یہ روپیہ صرف اسلیئے صرف کیا جاتا ہے کہ ہز مجسٹی کے سپاہی اُنپر بیکار ٹہلا کریں۔

کہا جاتا ہے کہ مشہور ومعروف "سیم کمیٹی" نے اس مشکل کو حل کرنے کی سعی کی تھی اور چند مالی ترمیمات اور اصلاحات تجویز کی تھیں جو بالکل ناقابلِ اطمینان اور ناقابلِ عمل ثابت ہوئیں اور اُنکی صوبجات متوسط کے باشندوں نے بھی اُسی شد ومد کیساتھ مخالفت کی جیسی کہ براریوں نے۔ برار کی یہ حق تلفی محض اُس وقت دور ہوسکتی ہے جب اعلیحضرت اقدس کے مجوزات عملی شکل اختیار کریں اور برار ایک علحدہ انتظامی صوبہ بنجائے۔

صوبجات متوسط اور برار ایک سے زیادہ خصوصیات میں ایک دوسرے سے

غیر مشابہ ہیں۔ اسکا مالگذاری طریقہ اور ملکی نظم و نسق صوبجات متوسط کے مالگذاری اور زمینداری قانون سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ جمعبندی اور لگان اراضی کے بنیادی اصولوں میں بھی بعد المشرقین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی حالت میں اور مادی و دماغی ترقی میں یہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے اسقدر مختلف ہیں کہ انمیں کسیطرح ایک جلسی پائی نہیں جاتی اور انھیں ایک حکومت کے تحت کبھی نہ رکھنا چاہیئے تھا۔ اگر اس صوبہ کا الحاق ہوسکتا تھا تو صرف احاطہ بمبئی سے جہاں مرہٹوں کی زیادہ آبادی ہے اور جہاں انکے اصول مالگذاری برار سے ملتے جلتے ہیں لیکن اسوقت بھی یہ اعتراض تماماً و کمالاً دور نہیں ہوسکتا تھا۔

برار چونکہ ایک چھوٹا صوبہ ہے اسلیئے جس بڑے صوبے کا وہ حصہ بنیگا ہمیشہ اسکے نظم و نسق میں اسکو ایک ماتحت صوبہ کا مرتبہ حاصل رہیگا اور اب تو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد سے اسکا امکان اور بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ اس قانون کی رو سے مقامی کونسلوں کے نمایندہ ارکین کو مفوضہ محکمہ جات میں وہ معتدبہ اختیارات مل گئے ہیں جنپر قومی خوشحالی کا دارومدار ہے موجودہ انتظامات کی غیر موزونیت اس سے ظاہر ہے کہ ستر ارکین کونسل میں برار کے صرف ستر نمایندے شریک ہیں اگر مفاد متصادم ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ صوبجات متوسط کے ارکان کی اکثریت ضرور بازی لیجائیگی شرائط پٹے کے بموجب سرکار انگریزی کو اس

صوبہ کے انتظام کے حقوق ملے تھے مگر اسکے منافی حقوق کی تفویض عمل میں نہ آئی
تھی پھر قانوناً اس بات کا اعتراف کریگا کہ اس معاہدہ کا ہرگز یہ مفہوم نہ تھا
کہ برار کو برطانوی علاقہ میں ضم کر لیا جائے اور اسکو انگریزی علاقہ کا ایک حصہ بنا دیا جائے۔
اسکے علاوہ موجودہ نظم ونسق کا وہ طریقہ جو ماقبل اصلاح و مابعد الاصلاح طرز ہائے
حکمرانی کے ایک عجیب وغریب اختلاط سے پیدا ہوا ہے اس صوبہ میں خصوصاً بیحد مشکل اور
ناقابل عمل ثابت ہو رہا ہے اور اسکی وجہ سے دفتری کارروائی کی ڈھیلی دور تسلسل
میں جو ہندوستانی دفاتر کا سب سے زیادہ بدنما اور بھونڈا پہلو ہے بڑی وسعت پیدا
ہو گئی ہے۔ ناگپور کی مجلس قانونی کے نافذہ قوانین کو "باقاعدہ منازل" کی
چکردار گلی کوچوں کو طے کرکر اس صوبے تک آنا پڑتا ہے۔ کوئی قانون گورنر جنرل
کی منظوری حاصل کرنے کے بعد بھی اسوقت تک برار میں نافذ نہیں ہو سکتا جب تک
کہ محکمہ خارجیہ سے اسکے نفاذ کی خاص منظوری حاصل نہ کر لی جائے۔ یہ ہیرپھیر کی کارروائی
دفتری حکومت کو پسند ہو لیکن ایک عام ہندوستانی کیلئے مملکت کے اہم مسائل کے
تصفیہ کا ایک نہایت ہی دقیانوسی طریقہ ہے۔ ضروری صوبائی ایکٹ کے نفاذ میں جو اکثر
تعویق ہو جاتی ہے اس سے قطع نظر برار کی مخصوص ضروریات کو ان قوانین میں جو خصوصاً
صوبجات متوسط کیلئے وضع ہوتے ہیں بہت کم توجہ ملتی ہے۔ اگر یہاں جداگانہ
مجلس قانونی موجود ہوتی تو یہ مشکلات و دقتیں پیش نہ آتیں۔ موجودہ طریقہ کے

تحت صوبجاتی مجالس کے قیام کا مقصد ہی بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ ماسوا اسکے صوبجات متوسط کی مجلس قانونی میں صوبہ برار کی نیابت کا طریقہ جو انتخاب و نامزدگی کی ایک عجیب و غریب آمیزش سے پیدا ہوا ہے آئینی حکومت کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ برار کے حلقہ ہائے انتخاب سے جو اراکین منتخب ہوتے ہیں انھیں گورنر کی جانب سے نامزد ہونا پڑتا ہے۔ حقیقی معنوں میں برار کے کل نمائندہ اراکین کونسل کے نامزد شدہ ممبر ہیں گو دل سمجھانے کیلئے انھیں منتخب شدہ ممبر کہا جائے کیا یہ ایک حیرتناک امر نہیں کہ صوبجات متوسط کے پس افتادہ جنگلوں کو برار سے زیادہ جمہوری آئین ملے لیکن بعض اوقات واقعات فسانہ سے زیادہ تعجب انگیز ہوتے ہیں۔

وہ تمام حضرات جو اس صوبہ کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں پوری پوری طور پر آگاہ ہیں کہ صوبجات متوسط اور برار کے مفاد اکثر باہم متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ امراوتی میں "کنگ ایڈورڈ کالج" کے قیام کی اس بنیاد پر مخالفت کہ اسکا اثر مارس کالج ناگپور پر پڑیگا جسمیں برار کے طلباء کی زیادہ تعداد تھی اسکی ایک مثال ہے۔ خوش قسمتی سے پیشینگوئیوں کے برخلاف اس ثانی الذکر درسگاہ کو اسکے تمام طلبہ سے محروم نہیں کیا گیا۔ بعض حضرات کی ہفت خوانی سعی کے بعد ہز ایکسلنسی گورنر نے محض سالگذشتہ سرکار آئے ثانی کے ویرانے میں امراوتی کالج کا رسماً افتتاح

کیا۔ اس صوبہ کی مالیات کا رُخ اگر بیرونی اغراض و مقاصد کی جانب پھیر دیا جائے تو ام اوتی میں ایک مکمل یونیورسٹی قائم ہو سکتی ہے لیکن اس تجویز کو عملی صورت اختیار کرنے کی کبھی اجازت نہیں ملیگی چونکہ یہ صوبہ صوبجاتِ متوسط سے ملحق ہے۔

ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیحضرت نظام کی اس دلیل کا جواب دشوار ہے کہ "اسطرح نہ صرف برار کے مالی ذرایع کو غیر براریوں کے استفادہ کے قابل بنا دیا گیا ہے بلکہ اصطلاحاتِ جدید کی بدولت میری رعایا کی و معاملات میں اغیار کے ماتحت رکھی گئی ہے" بعض اوقات غلطی سے یہ بحث کیجاتی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۱۹ء کے نفاذ نے براریوں کو غیر براریوں کے ماتحت نہیں کر دیا اس لئے کہ "محکمہ جات مفوضہ" کا نظم و نسق گورنر وزراء کی اعانت سے کرتا ہے اور صرف وزراء نہیں کرتے یہ طرز استدلال اس بنیادی نفس الامری کو نظر انداز کرتا ہے کہ معوضہ محکمہ جات کے معاملات میں وزراء کے آواز کی شنوائی اُسوقت ہوتی ہے جبکہ انھیں کونسل میں اکثریت حاصل ہو۔ اور یہ صاف قاعدہ ہے کہ جب "محکمہ جات مفوضہ" کے کسی شعبہ کے معاملات میں کونسل اور وزراء متحد الخیال ہو جائیں تو پھر گورنر کا اُنکی آراء کے آگے سر تسلیم خم کرنا ایک دستوری فرض ہے۔ خود مجلس قانونی جسمیں ترپن ۵۳ ارکین صوبجات متوسط اور سترہ ۱۷ براری ممبر شریک ہیں اُس حکومت کا اہم جزء ہے جو صوبۂ برار کے قسمتوں کا فیصلہ کرتی ہے۔ سندھ۔ اودھ

اور اٹلیسہ کی شمال برار چپہ چپہ ان میں ہوتی اسلئے کہ آخر الذکر صوبہ ابھی تک برطانوی
علاقہ نہیں ہے بلکہ قانوناً ریاست حیدرآباد کا ایک جزو لاینفک ہے یہ تفکرات غالباً ان
لوگوں کے دماغوں میں موجود تھے جو برار کو ایک گورنر کے تحت علیحدہ صوبہ بنانے کی
تائید کرتے تھے کیا یہ تعجب انگیز نہیں ہے کہ دہلی جیسا چھوٹا سا صوبہ جس میں صرف
دار الخلافہ کے علاوہ چند تحصیلیں شامل ہیں اور آسام جسکے داخل کی مقدار برار
سے بھی کم ہے علیحدہ علیحدہ حکومت رکھتے ہیں اور برار اس سے محروم رہے۔

جب میں ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء کے اُس معاہدے کی شرائط کو پڑھتا ہوں جس پر
کرنل لو کی دستخط ثبت ہیں اور جو نظام دکن کیساتھ تمام بعد کے معاہدات کی
بنیاد ہے تو مجھے اس امر کا کاملاً یقین ہو جاتا ہے کہ صوبجات متوسط سے
برار کا الحاق عظمت و لین کی ایک آئینی غلطی تھی مذکورالصدر معاہدے کی دفعہ
چھٹے کی عبارت مظہر ہے کہ "چند قرضے داریوں کے فرض سے ادا ہونے کی
غرض سے نظام ذریعہ ہذا رضامند ہیں کہ ان اضلاع کو جنکا ذکر منسلکہ ضمیمہ میں
کیا گیا ہے اور جنکی آمدنی تقریباً پچاس لاکھ روپیہ ہے برطانوی ریزیڈنٹ اور
اُسکے دیگر مشیروں کی خالص نگرانی میں تفویض کر دیں جنھیں وقتاً فوقتاً حکومت ہند
ان اضلاع کی خدمات پر مقرر کرے" اس موضوع پر اسکے بعد کا سنہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ
بھی جو دوامی پٹے سے متعلق ہے بہت صاف اور صریح ہے۔ انھیں سے کسی معاہدہ کا

یہ مقصد یہ تھا کہ ریاست حیدرآباد کے ایک جزینی برار کو ہندوستان کے طریق نظم ونسق میں جذب کر لیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ قانونی پہلو جس کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ مبذول کی ہے بالکل صاف و صریح ہے اور مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ موجودہ ما بعد الاصلاح طرز حکمرانی کے تحت برار کا ایک لمحہ کیلئے بھی قائم رہنا مطلقاً نا قابل تائید اور پٹے کی شرائط کے خلاف ہے۔

یہ دیکھکر طمانیت ہوتی ہے کہ استرداد برار کا مسئلہ بعض ایسے سیاسی اصولوں کو محاذ پیش پر جمع کر رہا ہے جنکا عزو وقار انکی پابندی سے بڑھکر انکی خلاف ورزی کا ممنون احسان رہا ہے بعض غرضمند جماعتیں خود باشندوں کی رضامندی پر زور دے رہی ہیں انکا رویہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے یہ خیال ہوتا کہ اعلیحضرت نظام کو اس تاریخی مکتوب کے اشاعت کی اجازت ایک گہری سیاسی چال تھی۔ وہی قوم جس نے باشندگان ہند کو حکومت خود اختیاری سے محروم رکھا اور انکے حقوق کی ہمیشہ شدومد سے مخالفت کی۔ اب بڑی روانی سے یہ کہہ رہی ہے کہ برار کے باشندے نظام کے تحت جانے سے ناراض ہیں۔ ان دفتری حکام کی یاد چند نام نہاد سیاسی لیڈروں کے مانند ضروریات وقت کے مطابق زور و دیا دیر پا ہوتی ہے۔ دار العوام میں پروفیسر رچرڈس نے مسٹر ہوپ سن کو جواب

ویتے ہوئے فرمایا تھا کہ برادیوں سے پوری طرح مشورہ کئے بغیر اس معاملہ کی فی کارروائی نہیں کیجاوے گی۔ آپکے اس جواب کا اصل مفہوم اس سے بہت زیادہ تھا جو کچھ نظر میں دکھلائی دیتا ہے خوداراوی حکومت کے اصول کی ترویج کا جس کیلئے چیختے چیختے ہندوستانیوں کے گلے بیٹھ گئے ہیں اور انکی آواز ابھی تک صدا بصحرا ہے اسمیں کوئی کلام نہیں خوب استقبال ہوگا لیکن اسکے استعمال میں یکسانی اور ہمرنگی ہونی چاہیئے۔ اسکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس (باشندوں کی رضامندی کے) اصول کو دوسرے صوبوں مثلاً بنگال اور بمبئی میں بھی کیوں رائج نہ کیا جائے؟ کیا شیشے کے گھروں میں رہنے والوں کا دوسروں پر پتھر پھینک کر اپنا دل بہلانا ایک خطرناک دقیع الوقتی نہیں؟ تاریخ کا کوئی گستاخ طالبعلم شوخی سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا باشندگان برار سے اسوقت بھی مشورت کیگئی تھی جبکہ معظم بالشان ہز کونسل سبرن کرزن نے برار کے باشندوں کو گلے کے بھیڑوں کیطرح برطانوی حکمرانی کے تفویض کردیا تھا یا کبھی باشندوں کی رضامندی اسوقت حاصل کیگئی تھی جبکہ کمپنی کے زمانہ سے لیکر عہد حاضرہ تک وسیع علاقے دیسی حکمرانی سے لیکر برطانوی حکومت میں شریک کئے گئے یہی یہ بات کہ برار کے باشندے نظام کی حکمرانی قبول کرنے پر رضامند نہیں یہ ایک حکایت ہی حکایت ہے اور اسکی گھڑنے والی تھکی ماندی قوت متخیلہ

ہے۔ اگر اسے عام لی جائے تو گمان غالب ہے کہ ان کمیٹیوں کے حقیقی ممبر جو اس صوبہ کی ترقی اور اصلاح کی ریڑھ کی ہڈی ہیں استرداد کی تائید میں رائے دینگے۔ گنتی کے چند ایک مخالفین جو سب سے زیادہ چیخ پکار کر رہے ہیں غیر ملکی ہونے کے علاوہ اس صوبہ کی آبادی کے بہت ہی قلیل تعداد پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک قابل رحم حالت ہے کہ آبادی کا ایک وسیع بے زبان حصہ اپنی آواز کو ایوانات شاہی تک پہنچا نہیں سکتا صرف اسلئے کہ اس کا کوئی مناسب نظام قائم نہیں اور مجبوراً اس کو تعلیم یافتہ حضرات کے نغموں پر رقص کرنا پڑتا ہے۔



باب ششم

چند مغالطے

یہ نفسیات کا ایک مشہور و معروف امر واقعی ہے کہ جب کبھی دندان شکن دلائل و براہین کی تردید کامیابی کیساتھ نہیں کیجا سکتی تو پہلے ان دلائل پر غور ہی نہیں کیا جاتا۔ اسکے بعد انکو مضحکہ خیز بتلایا جاتا ہے۔ اور اخیر میں ان کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا جاتا ہے۔ مسئلہ استرداد برار بھی انھیں مختلف منازل سے گذر رہا ہے۔ ایک امریکی وکیل کا قصہ ہے کہ ایک مقدمہ میں اپنے مخالف کی تقریر سننے کے بعد اچانک اعترافی لہجہ میں چیخ اٹھا کہ "جناب منطق اور وکلاء کا ساتھ ہمیشہ برا ہوتا ہے"۔ ممکن ہے کہ بہت سے قانوندان حضرات اس بیان کی تصدیق نہ کریں لیکن استرداد برار کے سلجھے ہوئے مسئلہ پر چند محققین کی الجھی ہوئی دلیلوں کے پڑھنے کے بعد آدمی اس خیال کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ وہ غریب وکیل تمام تر برسر غلط نہ تھا جس سرعت کیساتھ اس عہد میں سیاسی مغالطوں میں ترقی ہو رہی ہے۔ اس پر ایک سے زیادہ مضامین نگار قلم اٹھا چکے ہیں جسطرح اس افسانہ کی بلی کا ہلاک کرنا ناممکن تھا جسکی نو جانیں تھیں و

سے یکے بعد دیگرے وہ ان کا استعمال کر سکتی تھی اسی طرح ازالہ غلط فہمی بھی ممکنات سے نہیں۔
مگر چند مغالطوں کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بڑے اصرار کیساتھ یہ بات بیان
کیجاتی ہے کہ ہز ایکز الٹیڈ ہائینس جو گورنر مقرر کرینگے وہ کبھی اس گورنر کے جیسا نہیں
ہو سکتا جو انگلستان کی پبلک لائف سے لیا جائے! اسواسطے کہ اس کو
"جمہوری دستوروں کا تجربہ حاصل نہ ہوگا" حریت پسند سیاست دانوں" کا یہ خیال ہے
کہ انگلستان کی جمہوریت معراج کمال تک پہنچ گئی ہے۔ پردہ ہائے فریب کے
بار بار نظروں سے اٹھ جانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ ان خیالات کو اپنے سینوں سے
لگا رکھیں تو اسکا کیا علاج۔ مذکور الصدر بیان کے سارے لہجہ سے سیاسی تاریخ
کی ایک عمیق جہالت کا انکشاف ہوتا ہے یہاں گستاخانہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے
کہ کتنے دستوریت پسند گورنر کلکتہ بمبئی اور مدراس کے ایوانات سرکاری میں خواہان جمہوریت
باقی رہے اور کتنوں نے اینگلو انڈین دفتریت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ گذشتہ
چند سال میں ان نام نہاد جمہوری گورنروں کی کارگذاریاں ایسی رہی ہیں کہ اس امر کا
یقین مصدق ہو جاتا ہے کہ سوئز کے مشرق میں آتے ہی ہر انگریز جمہوریت کو بھلا دیتا ہے
اور بحر ہند میں داخل ہونے سے قبل ہی وہ بڑی حزم واحتیاط کیساتھ اپنے وجدانات
حریت کو جھاڑ پونچھ دیتا ہے۔ غالباً انگلستان کے جمہوری معاہدات میں تعلیم پانے
ہی کی وجہ تھی کہ سر جارج کلاک نے (جو اب لارڈ سڈنہم ہیں) غریب ہندوستان کے

عرصۂ امید پر ظلم وستم کے گھوڑے دوڑائے یا لارڈ پینٹ لینڈ نے مسز اینی بیسنٹ
مسٹر آرنڈیل اور وڈیا کو بغیر ان پر عدالت میں مقدمہ چلائے نظر بند کر دیا تھا۔ بستر
علالت سے مسٹر ہارمن کی جلا وطنی ضوابط بنگال کا کھو ونکالنا جو کتاب ضوابط کی
ایک کھلی بے عزتی ہے اور وہ بھی رائے عامہ کے خلاف ہمارے ان جمہوری گورنروں
کی تازہ ترین کارگذاریاں ہیں جنھیں "ساری پارلیمنٹوں کی ماں" کا تجربہ حاصل تھا۔
یہ جمہوری گورنر جنکا اولین مقصد زندگی یہ رہا ہے کہ شاہان مغلیہ کا سوانگ بھریں
وہ کروڑوں بے زبان آدمیوں کیساتھ دفتری حکومت کے غلاموں کے مانند برتاؤ
میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہتے اکثر حریت پسند لوگوں نے اس واقعہ کو راز میں
نہیں رہنے دیا ہے کہ وہ ایک ٹیلر کو سنگڈن پر اور ایک سلائی کو ایک ونالڈ شئے پر
ترجیح دیتے ہیں۔ وہ صوبجات متحدہ کا سیویلین گورنر ہی تھا جسکو ابھی زیادہ دن
نہیں گذرے کہ آزادی پسند جماعت کے پادری کی جانب سے انعام ملا تھا۔
ہندوستان میں برطانی حکومت کے آغاز کے بعد سے اس وقت تک صوبجات متحدہ
اور برار میں انگلستان کی پبلک لائف سے کتنے ایسے گورنر اور کمشنر لائے گئے ہیں جنھیں
جمہوری معاہدات کا تجربہ تھا۔ کس جمہوری معاہدات میں موجودہ گورنر کامل "سر فرانک
سلائی" نے گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے قبل سیاسی تربیت وتعلیم
حاصل کی تھی؟ کیا کوئی شخص اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے کہ ایک ہندوستانی

بلکہ پھر موروثیت جو شی بھی کسی "لارڈ ملیتھی چھڑی یا کرنل سر کچھ نہ کر سے بہتر گورنر ہو سکتا ہے۔

نظام کے مطالبہ کی تائید کے متعلق کانگریسیوں سے حکیم اجمل خاں نے اپیل کی تھی اس سے اس صوبہ کی نئی قومیت کے کبوتر خانوں میں بے چینی و بیقراری پیدا ہو گئی تھی یہ ایک خوش قسمتی کی بات ہے کہ وہ واحد مسلم کانگریسی جس نے اس مسئلہ کے متعلق کچھ لکھا ایک غیر جذبہ دار خیال کا سیاست داں تھا۔ کوئی اور حق و صداقت کے اظہار کی جرأت کرتا تو معلوم نہیں کیا حشر ہوتا کیونکہ موجودہ سیاسی دور میں دن کو دن اور رات کو رات کہنا اک جرم عظیم ہے۔ اس مضمون کے شایع ہوتے ہی بنی نوع انسان کے حقوق کی محافظت کے رشیوں کو بھی قریب ترین تار رکھنا پڑا۔ حکیم صاحب کا جرم صرف یہ تھا کہ انھوں نے چند نا قابلِ تردید تاریخی واقعات کا حوالہ دیکر نظام کے مطالبہ کی صداقت پر زور دیا تھا۔ ایک انیال عدل گستری نے حال میں باشندگانِ برار کو مشورہ دیا ہے کہ وہ برطانوی حکومت کے تحت کامل آزادی کا مطالبہ تیار کریں۔ گویا کہ برطانوی ہند کے دوسرے صوبوں کو آزادی مل چکی ہے۔ ان محبانِ وطن کی ذہنیت کو سمجھنا مشکل ہے جو ایک والیِ ریاست کے ماتحت کامل آزادی لینے سے اسلئے انکار کرتے ہیں کہ مستقبل بعید میں انھیں ایک بدیسی حکومت کے تحت محدود آزادی ملنے کی امید ہے۔

نتیجہ نکالنا بیہودگی ہے کہ کوئی قوم پرست باشندوں کی رضامندی وخواہش کے
آگے سر تسلیم خم کرنے یا اس مسئلہ کے متعلق رائے عامہ لینے کے اصول کی مخالفت کریگا
ہندوستانی والیانِ ریاست اور برطانیہ کے باہمی سیاسی تعلقات میں اس
جمہوری اصول کی ترویج کا جو افتادہ حال اور پائمال رعایا کیلئے بڑے بڑے
امکانات سے مملو ہے کوئی شخص خیر مقدم کئے بغیر نہیں رہ سکتا غالباً میسور کو ایک
ہندوستانی والیِ ریاست کے حوالے کرتے وقت اس اصول کو بروئے کار لایا گیا تھا!
کیا برطانوی ہند پر اسی اصول کے مطابق حکومت کیجا رہی ہے؟ مسٹر داس
اور مسٹر سوبہاش چندر بوس شاید اس سوال کا جواب دیں!

حیدرآباد میں مطلق العنانی

اب یہ امر مسلمہ ہے اور بیت الامراء میں حال ہی میں جو مباحثہ ہوا اور لارڈ چیمسفورڈ
نے کابینۂ حزب العمال کی جانب سے جو اعلان کیا ہے اس سے یہ صاف صاف
معلوم ہوتا ہے کہ نظام ابتداءً جو حقوق دینے کیلئے تیار ہیں ان کا برطانوی ہند میں
سالہا سال تک امکان نہیں۔ سیاسی حلقوں میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر نظام دکن
کی پیشکش کو قبول کر لیا گیا تو سوراج کی صبح طلوع ہو جائیگی اور برطانوی ہند کی
سیاسی ترقی تیز گام ہونے لگیگی۔ نیز ہندوستانی ریاستوں میں جو جمہوری معاہدات
ہیں ان میں ایک عظیم ترین قوت محرکہ پیدا ہو جائیگی اور نظم ونسق کے سارے خط وخال

میں ایک معتدبہ تبدیلی رونما ہوگی۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ جب سے برار کا
صوبجات متوسط سے الحاق ہوا ہے اسوقت سے اسکے ساتھ سوتیلی ماں کا سا
برتاؤ کیا جارہا ہے اور "بڑا بھائی" ماقبل الذکر کے مالیہ کی بچت کو ہضم کر جاتا ہے
غرضکہ اس مسئلہ کی حقانیت اور انصاف سے متعلق کا نگریسی حلقوں میں بھی کسی قسم کا
شک وشبہ نہیں۔ جو کچھ شبہات باقی ہیں وہ اعلیٰ حضرت نظام کی "مطلق العنانی" کے
متعلق ہیں، مگر اس حقیقت کو فراموش کردیا جاتا ہے کہ یہ نام نہاد "مطلق العنانی"
ایک قصۂ ماضیہ ہے اور اسکے متعلق جو افسانے مشہور ہیں وہ متعلقہ جماعتوں کی
حاسدانہ اور فریب دہ ایجادیں ہیں۔ اعلیحضرت نظام دکن نے حیدرآباد میں جو دور اس
آئینی تبدیلیاں فرمائی ہیں ان سے نظم ونسق میں معتدبہ تغیرات ہوگئے ہیں۔ سیاسیات
حاضرہ کا ہرایک طالبعلم واقف ہے کہ جب سے فرمانروائے دکن اورنگ شہی پر متمکن
ہوئے ہیں اسوقت سے ریاست حیدرآباد دکن تیزی سے ترقی کے راستہ پر
گامزن ہے۔ گذشتہ چند سال کے اندر موجودہ والئ دکن نے نہ صرف سلطنت کابینہ
(کیبینٹ گورنمنٹ) کا ہی افتتاح کیا ہے بلکہ تمام محکمہ جات انگریزی سکریٹریٹ
کے مانند باضابطہ منظم کردیئے گئے ہیں۔ غالباً اکثر شعبہ جات برطانوی محکمہ جات
کے مقابلہ میں زیادہ خوش اسلوبی کیساتھ اپنے اپنے فرائض منصبی انجام دے
رہے ہیں۔ عدالتی اختیارات کی انتظامی افسروں سے علیحدگی کا اصول جسکا مطالبہ

آج سے پینتیس سال قبل کانگریس نے پیش کیا تھا اور جسکے پورے ہونے کی برطانوی ہند میں اب تک کوئی امید نہیں ریاست حیدرآباد میں عملی جامہ پہن چکا ہے اور اسپر پورے شد و مد کے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے۔ مفت اور جبری ابتدائی تعلیم جس کے لئے مسٹر گوکھلے آنجہانی نے اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کیا اور جنھیں اپنی کوششوں کی کامیابی کا منھ دیکھنا نصیب نہ ہوا باقاعدہ نظام کے ساتھ ریاست حیدرآباد میں رائج ہے۔ کیا یہ عبرتناک نہیں کہ ہندوستان کی ایک نام نہاد پس افتادہ ریاست برطانوی ہند کے اکثر صوبوں پر تعلیمی امور میں سبقت لیجائے؟ درسی زبان کا مسئلہ جو اس ملک میں عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے اور جس پر ہندوستان کی سیاسی۔ اقتصادی اور تمدنی ترقی کا انحصار ہے۔ کئی سال پیشتر اعلیحضرت فرمانروائے دکن نے جامعۂ عثمانیہ (عثمانیہ یونیورسٹی) کی بنیاد ڈالکر اپنی سلطنت میں حل کر دیا۔ یہ عظیم الشان تعلیمی تجربہ تمام ہندوستان کے لئے ایک بیش قدر مثال ہے۔ جامعۂ عثمانیہ کا شعبۂ تراجم جسنے تھوڑے ہی عرصہ میں مشہور ترین طبعیات و معاشیات اور ادبیات کی انگریزی تصانیف کا اردو ترجمہ کیا ہے اس سے ہندوستان کے علوم کے خزانہ میں ایک ایسا قابل قدر اضافہ ہوا ہے کہ جسکی ہندوستان کی تمام قومیں ابدالآباد تک مرہون منت رہینگی اور مذکورۂ بالا جامعہ کے یہ کارنامے ہندوستان کے تمدن کی تاریخ میں زریں حرفوں میں لکھے جائینگے۔ ریاست حیدرآباد کی حالیہ تعلیمی ترقی کا اندازہ

چند اعداد و شمار سے پورا پورا ہو سکتا ہے۔ ریاست مذکور میں چار ہزار دو سو ستاسی
اسکول دو لاکھ چونتیس ہزار پانچسو تین طلبہ ہیں در رپورٹ تیرہ سو تیس فصلی تعلیم پر نظام
گورنمنٹ تینتالیس لاکھ ستر ہزار سات سو پچپن روپیہ صرف کرتی ہے۔ اور نو لاکھ
تینتیس ہزار دو سو دو روپیہ صرف خاص، لوکل فنڈ وغیرہ مدات سے خرچ ہوتے ہیں انگریزی
ہائی اسکولوں کی تعداد بتیس۔ طلباء چھ ہزار۔ جامعہ عثمانیہ کے ہائی اسکولوں کی
تعداد دس اور تعداد طلبہ تین ہزار پانچسو اور عثمانیہ اور نظام کالجوں کے طلباء کی تعداد
تین سو چوراسی ہے۔ مذہب کے لحاظ سے جہاں اسی ہزار تین سو اٹھائیس مسلمان
طلبہ ہیں وہاں ایک لاکھ تینتالیس ہزار چھ سو بارہ ہندو اور ایک ہزار دو سو اٹھانوے
جین اور سکھ طلباء ہیں۔ باوجود اس کے کہ علاقہ ہائے تلنگانہ و مرہٹہ واڑی ہندوستان
کے پس افتادہ ترین خطوں میں سے ہیں تعلیم نسواں کا جہاں تک تعلق ہے نتیجہ اظہر
من الشمس ہے کہ کوئی برطانوی صوبہ اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگر جبری ابتدائی
تعلیم کی ترویج، ملکی زبان کے احیاء و ترقی کیلئے ایک اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی کا قیام
جہاں ذریعۂ تعلیم و تدریس ملکی زبان ہو، مستحق لڑکوں کیلئے وظائف کا اجراء کہ وہ یورپ و
امریکہ میں علوم و فنون کا اکتساب کریں، صنعت و حرفت کی ترقی، ہندوستانی سرمایہ
کی مدد، اور ہندوستانی سرمایہ داروں کی ہمت افزائی، اگر یہ ساری چیزیں مطلق العنانی کی
ہیں تو پھر یہ مطلق العنانی برطانوی ہند کی اس نام نہاد "جمہوریت" سے بدرجہا بہتر ہے

جسکا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ نیم فاقہ کش ہندوستان کی دولت کو چوس لے اور غریب ہندوستانی کا محنت و مشقت سے کمایا ہوا روپیہ انڈین سول سروس کے دیوتاؤں کی خوشنودی کیلئے بھینٹ چڑھایا جائے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوکمانیہ تلک نے اپنی لکھنؤ کی تقریر میں فرمایا تھا کہ وہ برطانوی حکمرانی کے مقابلہ میں مسلم یا راجپوت حکومت کو ترجیح دینگے لیکن آج ایک افسوسناک منظر ہمارے سامنے پیش ہے کہ انھیں کے اصولوں کے پیرو اور اُنکے وفادار چیلے اپنے انگریز آقاؤں کی دامن برداری سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتے۔ باایں ہمہ جبتک ہندوستان اپنی تہذیب اور شائستگی پر نازاں اور فخر کناں ہے، اُن محبانِ وطن کی نسل جو دیسی مطلق العنانی کو بدیسی جمہوریت پر ترجیح دیتے ہیں ہندوستان سے ناپید نہ ہوگی۔

حیدرآباد سے ترک وطن کرنے والوں کے اعداد و شمار سے جو محکمۂ مردم شماری کی رپورٹ میں مندرج ہیں عجیب و غریب نتائج مستنبط کیے گئے ہیں۔ بڑے شد و مد سے بیان کیا جاتا ہے کہ ریاست حیدرآباد کے تلنگانہ و مرہٹواری علاقہ جات سے ہر سال ایک کثیر تعداد رعایا برطانوی اضلاع میں نقل وطن کرتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ریاستِ مذکور میں برطانوی ہند کے مقابلہ میں زیادہ تشدد ہے اور سرکار نظام مسلمانوں کی جنبہ دار ہے۔ کیا یہ الزام مضحکہ خیز نہیں؟ اگر ان اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تلنگانہ میں بمقابلہ مرہٹواری ترک وطن

کرنے والوں کی تعداد کیوں کم ہے خصوصاً جبکہ تلنگانہ میں بہت بڑی تعداد میں اہلِ ہنود آباد ہیں ۔ کیا سرکارِ نظام اپنے ہی ملک کے ایک خطہ میں انصاف پسند ہے اور دوسرے خطہ میں غیر انصاف پسند - ایک علاقہ میں جانبدار اور دوسرے علاقہ میں غیر جانبدار - کیا کوئی شخص سنجیدگی کے ساتھ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ہزار ہا اشخاص جو ہر سال برطانوی سواحل سے کنیڈا - آسٹریلیا یا دیگر نو آبادیات کو ترک وطن کرکے چلے جاتے ہیں اسکی وجہ برطانوی مطلق العنانی ہے ؟ کیا کینیا دافریقہ میں انگلستان سے زیادہ جمہوریت ہے یا بہ نسبت اسکاٹلینڈ کے آسٹریلیا میں زیادہ آزادی ہے ؟ خود ہندوستان میں اضلاع پرتا بگڑھ اور آناؤ کے ہزار ہا باشندے اپنے وطن کو خیرباد کہکر فکرِ معاش کی غرض سے صوبجات متوسط، بنگال اور بمبئی چلے جاتے ہیں کیا اُن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صوبجاتِ متحدہ میں صوبہ متوسط سے زیادہ مطلق العنانی ہے ؟ اقتصادی ضروریات کے تحت مرہٹواری حصہ ریاست سے ترک وطن کو سیاسی رنگ دینا غلط بیانی کی انتہا ہے ۔



ضمیمہ

مکتوب ہز ایگزالٹیڈ ہائینس نظام موسومہ لارڈ ریڈنگ

کنگ کوٹھی حیدرآباد دکن

مائی ڈیر لارڈ ریڈنگ ۲۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء

آپ آگاہ ہیں کہ صوبہ برار جو میرے ممالک محروسہ کا ایک جزو لاینفک ہے بعض شرائط پر ۱۰ر ڈسمبر سنہ ۱۹۰۲ء کے ایک معاہدے کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو دوامی پٹہ پر دیدیا گیا تھا یہ اس ملاقات کا نتیجہ تھا جو لارڈ کرزن والسرائے ہند اور میرے والد مرحوم میر محبوب علیخاں کے مابین حیدرآباد میں اسی سال ۳۰ر مارچ کو واقع ہوئی تھی۔

۲۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں میرے اپنے آبائی تخت پر بیٹھنے کے بعد میں نے ان حالات کی بہت غور و خوض سے جانچ پڑتال کی جنکے تحت یہ معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اگر سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظمیٰ کا آغاز نہ ہو جاتا، تو میں اس سے بہت ہی قبل معاہدہ مذکور کے غور نکرر کی درخواست کرتا لیکن حکومت برطانیہ کے ایک حلیف کی حیثیت سے میں نے اسکو اپنا فرض خیال کیا کہ اپنے مملکت کی ساری قوتیں جنگ میں لگادوں اور ایسے زمانہ میں اس سیاسی مسئلہ کو اٹھانے سے باز رہوں جبکہ امپائر ایک رزم حیات و ممات کی

صعوبتوں میں پھنسی ہوئی ہے اور مقابلہ پر ایک زبردست دشمن ہے۔ تاہم میرا ارادہ تھا
کہ اختتام جنگ پر اسکے متعلق کارروائی کروں لیکن برطانوی ہند میں سیاسی خمیر و بیچینی
ایسی شدید ہو گئی کہ ۱۹۱۹ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۲ء کے آخر مہینوں تک مجھے پھر بحالتِ انتظار
رہنا پڑا تاکہ حکومتِ ہند کو اسکی وجہ سے جو مزید پریشانی لاحق ہو گی اسکو اس سے بچالوں۔
خوش قسمتی سے فتح نصیب برطانوی شہنشاہیت اثرات جنگ سے اب جلد جلد
صحت پذیر ہو رہی ہے اور یور ایکسلنسی کی حکومت برطانوی ہند میں ایک پرسکون فضا
بحال کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اندریں حالات مجھکو اب اس مکتوب کے آپکے
نام اس کامل اعتماد کیساتھ ارسال کرنے میں کوئی اشتباہ نہیں معلوم ہوتا کہ "برطانوی
حکومت کے یار وفادار" کے دعاوی کو وائسرائے ہند اور برطانوی حکومت کے
ہاتھوں وہ ہمدردانہ توجہ ملجائے گی جسکا مقدمہ ہذا کی نصفت طلبی اور فریقین کے
تعلقات باہمی مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ میرے آباؤ اجداد کے ہاتھوں سے نکلکر کسطرح برار حکومت برطانیہ کے قبضہ میں
گیا اسکا اظہار اس تحریری دعوے میں کیا گیا ہے جسکو میں ایک یادداشت کی صورت
میں اسکے ساتھ منسلک کر رہا ہوں جو متعلقہ واقعات معاہدات اور دیگر دستاویزات
کی مکمل تاریخی مساحت پر مشتمل ہے۔ یور ایکسلنسی دیکھینگے کہ سنہ ۱۷۶۶ء میں ممالک محروسہ کے
شرقی اضلاع موسومہ "شمالی سرکار" کو میرے آباؤ اجداد میں سے ایک نے

حکومتِ برطانیہ کو دوا ما اندرونی امن و امان میں برطانوی افواج کی اعانت کے حق کے عوض میں دیدیا تھا۔ لارڈ کارنوالز نے مادی فوجی امداد کے فراہم کرنیکے معاہدہ کی مزید ضمانت بھی دی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ذمہ داری لی تھی کہ "جب کبھی حضور پُرنور بنفس نفیس درخواست فرمائینگے" فوجی امداد دیجائے گی اور بلا کسی قید کے الا ّ اینکہ "اس کو کسی طاقت کے خلاف نہ استعمال کیاجائے جو کمپنی سے اتحاد رکھتی ہو"۔

سنہ ۱۷۹۸ء میں فوجی امداد ۶۰۰۰ سپاہیوں کی "اعانتی فوج" تک بڑھادی گئی اور اسکی مناسب تعداد میدانی توپوں کی تھی جو نظام کی خدمت کیلئے ممالک محروسہ حیدرآباد میں رکھی گئی تھیں اور اعلان کیا گیا تھا کہ اس روز سے جس روز کہ سرحدات کو عبور کریں نظام کے تنخواہ یاب متصور ہونگے۔ امن و امان داخلی کے تحفظ کی نسبت معاہدہ کی دفعہ پنجم میں ہے کہ :۔

"مذکورہ بالا اعانتی فوج ہر وقت اہم خدمات کی انجام دہی کیلئے تیار رہیگی مثلاً ہز ہائینس انکے ورثاء اور جانشینوں کی نسلاً بعد نسلٍ ذاتی حفاظت اور اس سلطنت کے ممالک محروسہ میں باغیوں اور فساد برپا کرنیوالوں کی گوشمالی لیکن معمولی موقعوں پر اس سے کام نہ لیا جاسکیگا اور نہ "سربندی" کیطرح انکو اضلاع پر رکھکر تحصیل مداخل کا کام لیا جاسکیگا"۔

"نظام وقت نے یہ اقرار فرمایا تھا کہ ۲۴ لاکھ ۷ ہزار ایک سو روپے سالانہ اس

"اعانتی فوج کے اخراجات کیلئے دیا کرینگے"۔

۵۔ اسکے بعد ۱۸۰۰ء میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے اضلاع بلاری و کڑپا کو جنکی سالانہ آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ قرار دیگئی تھی نظام نے برطانوی حکومت کو ۴۲ لاکھ ۷ ہزار اکیسو روپئے سالانہ امداد کے عوض دیدیئے۔ زاں بعد یہ "اعانتی افواج ریاست حیدرآباد کے ہر قسم کے داخلی و خارجی امن سکون پر حملوں کے خلاف اسکے محافظت کی ذمہ دار ہوگئی اور اسکا یہ بھی فریضہ ہوگیا کہ نظام کی رعایا انکے ماتحتین کو جو بغاوت یا شورش پیدا کریں یا سرکار کے ان عادلانہ دعاوی کی ادائیگی سے انکار کردیں جو انکے ذمہ واجب الادا ہوں معرکہ کی عظمت یا کسی اور چیز کا حیلہ کیئے بغیر زیر کرے"۔

۶۔ ۱۷۹۸ء اور ۱۸۰۰ء کے معاہدات کا جنکے منعقد کرنیوالے ارل آف مانگٹن تھے (جو بعد میں مارکوئیس آف ولزلی ہوئے) نتیجہ نکلا کہ نظام کو ایک طرف تو بلاری و کڑپا کو دوآما حوالہ کردینا پڑا اور ریمانڈ اور دیگر فرانسیسی افسروں کے تحت جو فوجیں تیار کیئے گئے تھے انھیں نکال دینا پڑا اور دوسری طرف معاہدہ ۱۸۰۰ء کی سترویں دفعہ کے بموجب یہ دعوی کرنا پڑا۔

"اگر آئندہ شولاپور یا گدوال کے زمیندار ہز ہائینس کی حکومت کی کوئی اور رعایا یا ماتحتین اپنے ذمہ کے سرکاری منصفانہ دعوی کی ادائیگی سے باز رہیں یا بغاوت و شورش پیدا کریں تو امدادی فوج یا اسکا وہ حصہ جسکی ضرورت ہو حقیقت

جرم کی بخوبی تحقیقات کے بعد ہز ہائینس کی افواج خاص کی معیت میں ایسے سارے خاطیوں کو مجبور کردیگا۔"

۷- یور اکسلنسی دیکھینگے کہ ان دونوں معاہدات مشحرہ بالا نے جو ذمہ داریاں پیدا کردی ہیں ان امور طے شدہ نے انہیں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائیش ہی نہیں رہنے دی ہے اور یہ کہ داخلی فسادات اور خارجی اقدام کے مقابلہ میں نظام کو فوجی امداد کے حصول کا حق ناقابل حجت طور پر حاصل ہے لیکن اسکے صرف گیارہ ماہ بعد ہی جبکہ زمیندار اشولاپور نے نظام کو واجب الادا خراج کی ادائیگی سے انکار کردیا اور گستاخیاں وسرکشیاں کیں، چھ مہینوں تک "اعانتی فوج" کے حصے کی خدمات پیش کرنیکی شرط نہیں پوری کیگئی۔ اور یہ محض بعض اُن دیگر شرائط کی تکمیل کے بعد پوری کیگئی جنکا ان معاہدات میں کہیں ذکر نہیں تھا جسکی وجہ سے ماتحتین پر نظام کے اقتدار کی قوت کو بڑا ہرج پہنچا۔

۸- "اعانتی فوج" کی خدمات کاملہ سے جو معاہدہ کے ذریعہ حاصل کیگئی تھیں انکار کے بعد ۱۸۱۳ء میں گورنر جنرل نے یہ اصرار شروع کردیا کہ نظام اپنے مداخل سے سوار صلہ داروں کی ایک فوج تیار کریں جو دراصل وہی خدمت انجام دے جو اعانتی فوج شرائط معاہدہ کے تحت انجام دیتی۔ اور جسکے مدنظر اضلاع بلاری وکڑپا محض کچھ ہی قبل دیدیئے گئے تھے۔ اولاً تو نظام نے

اس تجویز کی مقاومت کی لیکن انکے حقوق معاہدہ سے صاف صاف انکار اور "اعانتی فوج" کی امداد سے جسکے وہ مستحق تھے دیگر اسباب بے لسبی کیساتھ ملکر ایک نئی فوج کی تنظیم کی جانب رہبری کی جو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے موسوم ہوئی اور اسکے اخراجات نظام کو برداشت کرنے پڑے۔ اس عہد کے کاغذات سے ظاہر ہوگا کہ ابتدا میں کنٹنجنٹ "اعانتی فوج" کو زحمت و مشقت سے بچانے اور سرکش زمینداروں کو اطاعت کیشی پر مجبور کرنے کی غرض سے قائم کیگئی تھی۔ یہ وہی فریضہ ہے جسکا تحقیقی الفاظ میں ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی سترھویں دفعہ میں "اعانتی فوج" کیلئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسطرح ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی روسے نظام کو جن خدمات کے حاصل کرنے کا حق پیدا ہوگیا تھا ان کیلئے وہ دوھرے گراں اخراجات ادا کرتے رہے نیز یہ بات افسوس کیساتھ نوٹ کیجاتی ہے کہ اگرچہ کنٹنجنٹ اسلئے تیار کیگئی کہ نظام کو داخلی اغراض کیلئے فوجی امداد حاصل رہے اور انکے اخراجات نظام کے خزانہ پر ایک بار عظیم تھے اسپر بھی جبکہ نظام کے مفاد نے انکے استعمال کا مطالبہ کیا انکی خدمات کے دینے سے بارہا انکار کردیا گیا۔

۹۔ کنٹنجنٹ کا ظہور ایسے وقت میں ہوا تھا جبکہ نظام کو اپنے ملک کے نظم و نسق میں کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئی فوج کو بھی برطانوی نگرانی میں رکھا گیا۔ اور سالانہ ۴۰ لاکھ روپیہ اسکے خزانہ سے قیام کیلئے نظام کے مداخل سے ادا

ہوتا رہا۔ نظام کی تاریخ کا یہ عہد ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے یکے بعد دیگرے بیوفا غدار لوگ مدار المہام ہوتے گئے اور اس موضوع کے متعلقہ دستاویزات کا مطالعہ مجھے یقین ہے یور اکسلنسی کو یقین دلا دیگا کہ کنٹنجنٹ کو نظام کی آزادانہ مرضی کے خلاف تیار کیا گیا نہ کہ جیسا ظاہر ہے نہ کوئی ایسا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس امر کی برطانوی شہادت بہ کثرت موجود ہے کہ سب سے زیادہ غدار مدار المہام چندو لال محض اپنے ذاتی اغراض کیلئے تشکیل کنٹنجنٹ پر رضامندی ظاہر کر دی تھی اور جس نے مداخل پر سے بعض اضلاع کو اس نئی فوج کے ایک حصے کے اخراجات کی ادائیگی کیلئے دیدیا وہ بھی یہی تھا۔ لارڈ منکاف نے ایک یاد داشت مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۸۳۲ء میں کنٹنجنٹ فوج کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ دراصل راجہ چندو لال کا اور ہمارا ایک مشترکہ معاملہ ہے۔ سر الیف کری نے جو لارڈ ڈلہوزی کی حکومت کے ایک رکن تھے اپنی یاد داشت ۲ر اپریل ۱۸۵۳ء میں بھی نہایت سچی بات لکھی ہے کہ کنٹنجنٹ مسٹر رسل رزیڈنٹ اور اس وقت کے مدار المہام چندو لال کی چال معلوم ہوتی ہے" اور اسنے یہ بھی لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کنٹنجنٹ کے لئے حکومت ہند یا نظام کی کوئی منظوری نہیں لیگئی۔

۱۰۔ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال کا سارا دور کارفرمائی اپنے ملک کے مفاد کی ضمیر فروشانہ قربانی ریاست کے مالیہ کی اندھادھند بربادی اور

اپنے شخصی اقتدار کے قیام کیلئے ریاست کے ذرایع کے بے غل وغش اسراف کی دستاویز ہے کینٹجنٹ پر نہایت مسرفانہ اخراجات ہوئے اور یہ سارا انتظام اس طرح ہوا کہ نظام کے ذرائع پر جو زبردست بار عائد ہو رہا تھا اس کا بالکل خیال نہیں کیا گیا۔ مدار المہام کی حیثیت سے چندو لال رزیڈنٹ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا بالکل غلام بنا رہا۔

۱۱۔ حالات فوق الذکر ۱۸۰۲ء کے معاہدہ کا باعث ہوئے جسکی رو سے اضلاع برار مخصوص شرائط و حالات کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کینٹجنٹ کی عارضی ضمانت کے طور پر حوالے کر دیئے گئے۔ اب یہ فوج پچاس برس تک رہی اور ۴۲ لاکھ روپیہ کلدار کا نظام سے کمپنی نے مطالبہ کیا لیکن یہاں یہ اہم بات قابل ذکر ہے کہ کوئی رقم مجرا نہیں دی گئی۔ نہ شہر سکندر آباد میں نظام کی رعایا سے جو محاصل وصول کئے جاتے تھے اُنکے متعلق آبکاری رقومات مجرا دی گئیں اور نہ برطانوی حکومت نے ایک طویل عرصہ تک بالتحقیق ۴۱ برس تک جو اعانتی فوج کو بہت ہی کم تعداد میں رکھا تھا اسکی بچت مجرا ملی تقریباً ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی آبکاری کی آمدنی اسوقت کی حکومت ہند (بلا استحقاق) وصول کرتی رہی اگر اس ضبطی محاصل کو تسلیم کر لیا جاتا اور یہ رقومات واپس ملتیں تو اس سے حکومت ہند پر نظام کی ۴۱ لاکھ کی رقم بغیر مشمول سود کے نکلتی اور اسطرح نہایت ہی مسرفانہ و

نا محمود اساس پر کنٹنجنٹ کے قیام کے اخراجات کا بقایا بالکل ادا ہو جاتا۔ علی ہذا کم از کم تقریباً ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ تک امانتی فوج کی قوت اُس تعداد سے از روئے معاہدہ ہونی چاہئیے تھی ۵۰ فیصدی کم رہی جب کیلئے کڑپا اور کرنول کی دوامی تحویل سے پیشگی اخراجات ادا کردیئے گئے تھے۔

۱۲۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے نظام پر حکومت ہند کی کوئی رقم واجب الادا نہ تھی اور ۴۲ لاکھ روپیہ کا دعوی بلا کسی مادی بنیاد کے تھا۔ بااین ہمہ اس دعوی نے ۱۸۵۳ء کا معاہدہ زبردستی نظام کے گلے منڈھ دیا۔ ۱۸۶۰ء کے رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن کی شہادت کے معائنہ سے جو ۱۸۵۳ء کے معاملے کے عینی شاہد تھے یور اکسلنسی اس بات کو اچھی طرح سمجھ جائینگے ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۰ء کو لکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ قرض کو نظام نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے ذریعہ جبر کے تحت تسلیم کرلیا اور اسکو انھوں نے کبھی اپنے ذمہ اجبی طور پر قابل ادائی نہیں تصور کیا۔ نیز انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انکی رائے میں اگر مالی مطالبات پر غیر جنبہ دارانہ نظر ڈالی جائے تو پھر اس موجودہ قرض کیلئے نظام پر ہمارا کوئی منصفانہ دعوی نہیں ہے۔

۱۳۔ جس دباؤ کا اشارہ کرنل ڈیوڈسن نے کیا ہے وہ یہ تھا کہ فی الفور فوجی قبضہ کی دھمکی دیگئی تھی! ولین تجویز یہ تھی کہ اس علاقہ کو ہمیشہ کیلئے دیدیا جائے۔ نظام نے اس سے انکار کردیا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ دواماً حوالہ کردیا

جائے البتہ برائے نام اس علاقہ پر نظام کی شاہی تسلیم کیجائے انھوں (نظام) نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ پچاس نوں تک انھیں (نظام کو) مجبور کیا گیا لیکن انھوں نے اسکو قبول نہیں کیا تو پھر تیسری تجویز پیش کیگئی کہ یہ علاقہ برطانوی حکومت کو محض اس عرصہ تک کیلئے کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے دیا جائے جبتک کہ نظام اس فوج کی ضرورت محسوس کریں" الزامات لگائے گئے اور دھمکیاں دیگئیں" لیکن ورپندرہ روز تک نظام غیر متزلزل رہے اسکے بعد میجر ڈیوڈسن (جو بعد میں کرنل ہوئے) اسسٹنٹ رزیڈنٹ کا ایک خط نظام کے مدار المہام کے نام آیا جسکی جابرانہ سیرت کا حال ذیل کے اقتباس سے واضح ہوگا۔

میں باور کرتا ہوں کہ رزیڈنٹ کو آج شام آپکی حضوری درکار ہے تاکہ آپکو اطلاع دیں کہ نظام سے انکی گفت وشنید ختم ہوچکی ہے اور وہ آج کی ڈاک سے گورنر جنرل سے درخواست کرینگے کہ افواج کو حرکت دیں ...... سچ یہ ہے کہ مجھے اپنے بھتیجے کا ایک خط ملا ہے جو پونا میں رہتا ہے اسمیں درج ہے کہ ۱۷ ویں ہائی لینڈرز اور ۸۶ رجمنٹ ایچ ایم افواج کو حیدرآباد پر پیشقدمی کیلئے تیار رہنے کے احکام ملگئے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ فوجی کارروائی صرف اضلاع تک محدود رہیگی۔ اور اگر آپ ہز ہائینس کے دوست ہیں تو انسے درخواست کیجئے کہ اپنے آپکو اور اپنے وقار کو اس امر کو قبول کرکے بچالیں جسکے قبول کرنے پر گورنر جنرل یقیناً انھیں مجبور کرینگے"

اس خط کے وصول ہونے کے دوسرے روز مدار المہام نے رزیڈنٹ کو

لکھا کہ آخرکار نظام اس معاہدہ پر رضامند ہوگئے ہیں اسپر تنقید لاحاصل ہے اب اس امر کا تصفیہ یور اکسلنسی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ یہ منظوری رضامندی سے تھی یا جبر سے دیگئی تھی

۴ میں ملکہ یادداشت میں تفصیلاً وضاحت کیا تھا اس نہائی بنیاد کا حال تشریح کے جس پر ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی گفت و شنید ختم ہوئی۔ کرنل لو نے جو بعد میں جنرل سر ... ہوئے جو اسوقت رزیڈنٹ تھے نظام سے تحکمانہ اعلان کیا کہ اگر ہز ہائینس کی خواہش ہے تو کنٹنجنٹ کے قیام کیلئے جبتک اسکی ضرورت محسوس ہو اسوقت تک کیلئے یہ اضلاع حوالے کئے جاسکتے ہیں" اس موضوع کے متعلقہ امثلہ و کاغذات کا سرسری مطالعہ مجھے یقین ہے کہ یور اکسلنسی کو اس بات کا یقین دلادیگا کہ نظام دوامی حوالگی کے تصفیہ کی تجویز کو شدت سے ناپسند کرتے تھے اور یہ کہ انھوں نے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ پر اس بیاغ ابہام کیساتھ دستخط کیے تھے۔ "انتقال قبضہ برار ایک غرض خاص کے لئے تفویض عارضی ہے جو محض اسوقت تک رہیگا جبتک کہ اس مقصد کے قیام کی ضرورت باقی ہے"

۵ نظام کا یہ پہلے سے مسلمہ موروثی حق کہ جب جی چاہے کنٹنجنٹ کو توڑ دیں اور جو معاہدہ کی کسی شق کا پابند نہ تھا ۱۸۵۳ء کے معاہدے سے غیر متاثر رہا ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے مابین کاغذات میں چھ ایسے مختلف موقع پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام نے متواتر اپنے آپکو مفوضہ اضلاع برار کے استرداد کا مستحق قرار دیا ہے اس کے بعد ۱۸۶۰ء کا معاہدہ قرار پایا جو معاہدہ سیم ہے اور اس کے ریاست حیدرآباد کو

(ان اضلاع کے) متعاقب اور کامل استرداد کے دعاوی جنھیں میرے جد بزرگوار نظام افضل الدولہ اور میرے جد امجد اس درجہ عزیز رکھتے تھے نہ ہمسر پہنچ سکتا ہے اور نہ انکا دائرہ تنگ کیا جاسکتا ہے برخلاف ایں اس معاہدہ کی دفعہ ششم میں ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے تحت مقبوضہ کا صاف صاف اسطرح حوالہ دیا گیا ہے۔

حیدر آباد کنٹنجنٹ کی افواج کے ادائے اخراجات کیلئے حکومت برطانیہ کے پاس امانت ہے اور دیگر چھوٹے چھوٹے اخراجات کیلئے بھی حکومت ہند کی ۵ ستمبر ۱۸۶۰ء کی اس کارروائی کا یہ نتیجہ تھا جسکی رو سے رزیڈنٹ کو سرکاری طور پر مجاز گردانا گیا تھا کہ نظام کو لکھے کہ " انکے ممالک محروسہ کے اس حصہ کی علیحدگی محض عارضی ہے اور ایک خاص غرض کیلئے جو خاصکر ریاست حیدر آباد کی سلامتی اور اسکی سرحدات کے اندر امن و امان کے تحفظ کی موئید و حامی ہے " اور یہ کہ جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس کئے جائینگے ہز ہائینس آئندہ ان منافع سے استفادہ کرتے رہینگے جو اس اصلاح و ترقی سے پیدا ہوں جسکا ظہور برطانوی عہدہ داروں کے انتظام کے تحت ہوا ہو۔

۱۶- اس تاریخی ساحت سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ ان حالات سے جنکے تحت ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء کے معاہدات منعقد ہوئے اس نظریہ کی تائید میں کوئی ٹھیک نتیجہ نہیں مستخرج ہو سکتا کہ نظام یا حکومت ہند نے کبھی اسکا خیال کیا

یا کسی زمانہ مستقبلہ میں کنٹنجنٹ کے توڑنے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہو۔ میرے خیال میں یور اکسلنسی ایک اعلیٰ پایہ کے حاکم عدالت وقانون پیشہ کی حیثیت سے میرے اس خیال سے متفق ہونگے میرے آبا واجداد نے میرے جدّ والا نظام افضل الدولہ کے عہد حکمرانی تک کسی ایسے تصفیہ پر رضامندی نہیں ظاہر کی جس سے اُنکے اس حق پر ذرا بھی شبہہ گذر سکے کہ وہ اپنے خانوادہ کو برار سے مستردکرانے میں اپنے اختیار تمیزی کو ہر اسوقت کام لاسکینگے جبکہ سارے دیوں کا تصفیہ ہوجائے اور اُنکے نزدیک قیام کنٹنجنٹ کی ضرورت باقی نہ رہے

۱۷۔ میرے دادا نظام افضل الدولہ نے ۱۸۶۹ء میں انتقال فرمایا اور آپکی جگہ میرے والد نظام محبوب علیخاں تخت نشین ہوئے جو تخت نشینی کے وقت محض ایک طفل سہ سالہ تھے۔ فرمانروا کی طفلی کیوجہ سے سر سالار جنگ نائب اور امیر کبیر شریک نائب مقرر ہوسے ۱۸۷۲ء میں ان نائب السلطنت مدار المہاموں نے حکومت ہند سے آگے یہ تجویز پیش کی کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ میں جن اغراض و مقاصد کا ذکر ہے انھیں کی بنیاد پر کنٹنجنٹ فوج کے قیام کے اخراجات کے لیئے ایک نقد رقم ریاست حیدرآباد سے لیجایا کرے اور اضلاع مفوضہ نظام کے نظم ونسق اور حکومت کو مستردکردیئے جائیں۔ اس تجویز سے انکار کردیا گیا۔ انکار کی بنیادوں میں ایک یہ بھی تھی کہ ”اس نوعیت کے مسائل پر بحث وتحقیق

وقت طلب ہے جبکہ خود نظام جنکی جانب سے یہ مسائل اٹھائے جا رہے ہیں نابالغ ہیں"

۱۸ - سنہ ۱۸۸۴ء میں کامل اختیارات حکومت میرے والد کے ہاتھوں میں آئے جبکہ وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے جو اسوقت وائسرائے تھے مسئلہ برار کو اپنی جانب سے اٹھایا۔ اسکے بعد جو معاملات ہوئے انکی میں جسقدر زیادہ جانچ کرتا ہوں اتنا ہی انکے ناروا ہونے کا مجھے یقین ہوتا جاتا ہے میرے والد بھی تفویض دوامی کی تجویز سے اس سے کم متنفر نہ تھے جتنے کہ انکے آبا و اجداد تھے۔ حکومت ہند کے پیام وسلام مجوزات کی صورت میں کرنل بار (جو بعد میں سر ڈیوڈ ہوئے) رزیڈنٹ حیدرآباد وقت کے توسط سے میرے والد کو تقریباً ختم جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے پہنچنے شروع ہوئے اسکے آٹھ ہفتوں کے اندر ہی حیدرآباد میں لارڈ کرزن کا تاریخی ورود ہوا جسکا انجام یہ ہوا کہ برطانوی حکومت کو اضلاع برار دوامی پٹہ پر ملگئے۔

۱۹ - یادداشت منسلکہ سے ظاہر ہوگا کہ میرے والد دوامی پٹہ کی تجویز کو کس درجہ ناپسند فرماتے تھے۔ کسطرح آپ برابر رزیڈنٹ کے پیام وسلام کی مقاومت کرتے رہے اور کس شد و مد کیساتھ آپکی مجلس امراء نے جو خاصکر اسی معاملہ میں غور و خوض کرنے کیلئے منعقد ہوئی تھی اس تجویز کی مخالفت کی تھی بلاشبہ اس مجلس نے ایک خط کا

مسودہ تیار کیا تھا جو نظام کی جانب سے وائسرائے کو بھیجا جانیوالا تھا اور اسمیں
ہز ہائینس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ اس خط کو خود اس بیچ کی گفتگو میں وائسرائے کو دیں
جو وائسرائے کو حیدرآباد آنے پر رزیڈنسی میں ہونیوالی تھی میری نظر میں یہ خط ایک
داستانِ اندوہ والم ہے نہ صرف اسلیئے کہ اسکی عبارت ایسی دردآمیز ہے بلکہ اسلیئے
کہ یہ ملاقات ایسی اچانک ہوئی کہ میرے والد اس خط کو وائسرائے کے ہاتھوں تک
نہ پہنچا سکے۔ یہ خط جو ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء کا لکھا ہوا ہے حسب ذیل ہے۔

یور اکسلنسی

میں نہیں چاہتا کہ استردادِ برار کے متعلق اپنے حق کے قدیم جھگڑے میں قدم رکھوں
یا اُسکے متعلقہ معاہدات و دیگر رسمی مصروفیتوں کے مفہوم و مقصد کی بحث کو تازہ کروں۔
میں اعتماد کیساتھ ان معاملات کو یور اکسلنسی کے کرمفرما لطف آمیز غور و نظر پر چھوڑتا
ہوں میں محض آپکے توسط سے ملک معظم سے اپیل کرونگا کہ الطاف و عنایات کی
ایک خاص علامت کے طور پر برار مسترد کر دیں اور میں آپ سے اتنی اجازت پانے
کی درخواست کرتا ہوں کہ کہوں کہ یور لارڈشپ اس معاملہ میں میری وکالت فرمادیں
مجھے اس بات کا کامل یقین ہے اور میں پورا پورا بھروسہ رکھتا ہوں کہ میری
یہ اپیل ملک معظم کی تاجپوشی کے مبارک موقع پر بیکار نہ جائے گی۔

(میں ہوں یور اکسلنسی کا مخلص دوست)

۲۰۔ منسلکہ یادداشت کے مندرجہ ذیل مکمل حالات ملاقات سے یہ بات بالکل صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وائسرائے نے اس امید کیلئے نظام کی حوصلہ افزائی نہیں کی کہ ہز اکسلنسی ملک معظم کے آگے ہز ہائینس کی وکالت فرمائینگے۔ اگرچہ رزیڈنٹ کرنل. بار وائسرائے کے ہمراہ تھے لیکن اس غائیت درجہ اہم مسئلہ کی بحث کے دوران میں بدبختی سے میرے والد مرحوم کو اپنے مدارالمہام یا ساست کے کسی اعلیٰ عہدہ دار کی اعانت حاصل کرنیکا موقع نہیں دیا گیا وائسرائے اور نظام کی یادداشتیں جنمیں اس ملاقات کا حال علیحدہ علیحدہ درج ہے دونوں کی دلی کیفیات کے اظہار کیلئے میمورنڈم میں ایکساتھ درج کیگئی ہیں۔

۲۱۔ لارڈ کرزن کے نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ برار کی بحث چھیڑنے سے قبل ہز اکسلنسی نے دو غیر متعلقہ مسائل اٹھائے اور انکے اٹھاتے ہوئے آپ نے وائسرائے کی حیثیت سے اپنے اختیارات کے تحکمانہ پہلو کا بھی اظہار فرمایا۔ انھیں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ نئے مدارالمہام سرکشن پرشاد کے مدارالمہامی کی منظوری دیجائے میرے والد کی یہ خواہش تھی کہ انکے مدارالمہامی کی منظوری دیجائے۔ لیکن ہز ہائینس کو یاد دلایا گیا کہ یہ ہز اکسلنسی کی مرضی پر منحصر ہے۔ دوسرا مسئلہ حکومت ہند سے ریاست حیدرآباد کے مالی مشیر کی حیثیت سے مستعار لئے ہوئے ایک افسر کے عہدہ اور اسکے اختیارات سے متعلق تھا۔ اسکے متعلق اپنے نظریات کو پیش کرتے ہوئے ہز اکسلنسی

اس حد تک بڑھ گئے کہ آپ نے کہا کہ اگر آپکے مجوزات پر عمل نہ ہوگا کہ آپ حق اغتصاب کی ہر اپیل واپس لینگے اور وائسرائے نے اپنے اس اعلان سے اپنے اصرار کا مزید اظہار فرمایا کہ نئے مدارالمہام کے تقرر کی منظوری عہدہ دار مستعار کے متعلق ہز اکسلنسی کے مجوزات کی قبولیت پر منحصر ہے۔

۲۲۔ میں اس کو ایک بدبختانہ حالت کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ میرے والد کے ہمراہ جو طبیعت کے سخت میلے اور کمزور مشہور تھے کمرۂ ملاقات میں کوئی نہ تھا مسئلہ برار کے زیر بحث آنے سے قبل جن ابتدائی امور پر مکالمہ ہوا وہ حواس کو منتشر کرنیوالا تھا۔

۲۳۔ واجبات معاہدہ کا وہ منظر جو میرے والد کے آگے بہ جبر پیش کیا گیا وائسرائے کے خاص نوٹ کے حسب ذیل اقتباس سے واضح ہے۔

"میں نے بتایا (نظام کو)، کہ برطانوی حکومت کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ معاہدہ کے ذریعہ فی الحال اسکو جو پوزیشن اور حقوق حاصل ہیں آپ نے غیر مطمئن ہوجائے معوضہ اضلاع پر اسکو جو حقوق حاصل ہیں اسمیں کسی قسم کا بال (استعارتاً بمعنی خرابی) نہیں ہے نہ تو میعاد تفویض ہی کی کوئی تجدید کیگئی ہے اور نہ اختیارات نظم ونسق کی حدبندی کیگئی ہے جو اسکے ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں۔

حیدرآباد کنٹنجنٹ جیسی کہ وہ اس وقت ہے اور معاہدہ کے تحت رکھی گئی ہے ایک مسرفانہ اور غیر اطمینان بخش انتظام تھا۔ علاقہ حیدرآباد میں جو فوجیں مقیم ہیں وہ اسکے موجودہ احتیاجات سے بہت زیادہ ہیں اور انکے اس

لقب کا باقی رکھنا ایک تو نظام کیلئے غضب انگیز ہے اور دوسرے نامناسب وقت"
"اور یہ کہ برار کی دوامی تفویض موجودہ کے بجائے پٹہ دوامی ہو جائے"
"جب میں نے یہ سنا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ ایسے مناسب موافق شرائط کو ہز ہائینس نے پسند نہیں کیا ہے۔ اگر انسے انکار کر دیا جاتا تو حکومت ہند لازماً موجودہ پوزیشن کی جانب راجع ہوتی جسمیں میعاد معین نہیں ہے اور جس کے تحت پچاس سال سے بہت کم مالی اخراجات کیساتھ اس جائداد سے فائدہ اٹھاتے آرہے ہیں جسکی ہمیں تمنا تھی"
"لیکن اسکے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جسکی بنا پر موجودہ مجوزات کی ناکامی پر مجھے افسوس ہوتا۔ بدرجۂ اعلیٰ یہ بات ناممکن تھی کہ بعد میں جانشین ہونیوالا کوئی وائسرائے اس مسئلہ کو دوبارہ اٹھاتا یا یہ کہ کوئی سی برطانوی حکومت کسی تازہ پیس افتادگی کی محبت کا دم بھرتی۔
"لہذا ہز ہائینس کو واقف ہونا چاہیئے کہ اب ایک سمجھوتہ کا جو موقع دیا گیا ہے وہ پھر نہیں عود کریگا اور یہ کہ اسوقت کے طے شدہ امور ایک دوامی شکل میں ڈھل جائینگے"
"لیکن وہ (نظام) یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ نئے سمجھوتہ کے تحت آیا انھیں اس بات کی آزادی حاصل رہیگی کہ وہ مستقبل میں کبھی استرداد برار کی درخواست کرسکیں"

میں نے جواب دیا کہ اگر صوبہ برار دوامی پٹہ پر برطانوی حکومت کو دیدیا گیا تو پھر ہزہائینس ایسی کوئی درخواست نہیں کرسکینگے اسلئے کہ اس پٹہ سے اس صوبہ کی قسمت کا فیصلہ ہو جائیگا۔

اسکے بعد ہزہائینس نے سوال کیا آیا حالات حاضرہ کے تحت برار کے انھیں واپس ملجانے کی کوئی توقع ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ معاہدات میں ایسی بات نہیں جس سے حیدرآباد اسکے استرداد کا کوئی دعویٰ کرسکے۔ میں نے اپنے جواب میں ہزہائینس کو اس جواب کا حوالہ دیا۔ جو سر سالار جنگ کو جبکہ یہ معاملہ ۲۵ سال قبل قرار پایا تھا دیا گیا تھا اور ۱۸۸۰ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے لارڈ سالبری نے جو جواب دیا تھا اسکا بھی تذکرہ کیا۔ گذشتہ پنجاہ سالہ واقعات نے موجودہ صورت حال کے متعلق ایک اور گمان غالب پیدا کردیا جائے جس سے قطع نظر ناممکن ہے۔ ان معاملات میں مسلسل حکمرانوں کے مابین خواہ وہ قدامت پسند ہوں کہ حریت پسند یہی پالیسی جاری رہی ہے اور میں ہزہائینس کو کوئی امید نہیں دلاسکتا کہ آئندہ کوئی (برطانوی) حکومت انھیں (نظام کو) ایسے شرائط دینے پر تیار ہوجائے گی جنھیں کسی گذشتہ حکومت نے قبول نہیں کیا خصوصاً اگر مستقل اصول پر اس معاملہ کو طے کرنے کی موجودہ سعی بیکار رجائے برطانوی حکومت کیلئے

اسکے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہیگا کہ معاہدات کے ذریعہ محصلہ دوامی تفویض پر کاربند رہے"

اس کے بعد ہز ہائینس نے کہا کہ چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر موجودہ تصفیہ سے انکار کر دیا جائے تو انھیں استرداد برار کا موقع حاصل نہیں ہے لہذا انھیں دوامی پٹہ کی تجویز منظور کرنے میں پس وپیش نہیں ہے کہ اب اسی میں ریاست کا زیادہ فائدہ معلوم ہوتا ہے آپ نے اُس وقت تک اس سے اسلئے انکار کیا تھا کہ آپ کو اسکی خبر نہیں تھی کہ زمانہ مستقبل میں آپ کو برار کے واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۴۲۔ اس غیر مساوی مباحثہ کا جو اثر میرے والد مرحوم کے دل پر بیٹھا تھا یور اکسلنسی کو اسکے اندازہ کرنے کے قابل بنانے کیلئے چاہتا ہوں کہ یہاں اس اہم معاملہ کے متعلق نظام کے نوٹ سے ایک مختصر اقتباس درج ذیل کروں۔

"وائسرائے نے مجھے دو بار تین بار (متعدد بار) کہا کہ برار کبھی مسترد نہیں کیا جا سکتا ہز اکسلنسی نے کہا کہ "میں نہیں چاہتا کہ یور ہائینس کو کسی جھوٹی امید میں رکھوں میں نہایت صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ نہ صرف میری یہی پالیسی ہوگی بلکہ میرے بعد آنیوالے وائسرائے کی بھی یہی ہوگی اور انگلستان کی حکومت کی

بھی یہی ہو گی یعنی برار کسی زمانہ میں بھی واپس نہ دیا جائیگا۔ وائسرائے کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۲۵ سال سے واپسی برار کی کوئی درخواست نہیں پیش کیگئی (ہمارے لئے) اب یہ ناممکن ہے کہ اسکو واپس لیں اور یہ کہ ہمیں اسکی واپسی کی کوئی اُمید بھی نہیں رکھنی چاہیئے۔ ہزاکسلنسی نے سمجھایا کہ اگر موجودہ حالات تسلسل قائم رہے تو اس سے مجھکو کوئی نفع نہ ہوگا۔ جب برار کا واپس ملنا ناممکن ہے تو موجودہ حالت کو قائم رکھنا عقلمندی نہیں ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ پٹہ پر دیدیا جائے اور سال بسال روپیہ (محاصل) لے لیا جائے"۔

لیکن جہاں تک مجھ سے ہوسکا میں نے اصرار کیا (استرداد برار پر) لیکن وائسرائے کے جوابات کے نہج سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ ہمیں برار کبھی نہ دینگے زمانہ ماضی کی غلطیوں کی پاداشں میں اب ہمیں اس صوبہ سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑا ہے تب مجھے مجبوراً کہنا پڑا اگر ایسا ہی ہے تو اسکو پٹہ پر لیجیئے"۔

کُل جس ڈھنگ سے وائسرائے نے مجھسے گفتگو کی تھی اس سے مجھے پورا یقین ہوگیا کہ اگر میں پٹہ پر دینے سے یہ کہکر انکار کرتا کہ حالات موجودہ ہی جاری رہ سکتے ہیں تو ہزاکسلنسی میری نہ سنتے اگر سنتے بھی تو ٹال مٹول کے جوابات دیتے اور اگر میں مجبور کرتا کہ میری درخواست کا معین جواب دیں تو پہلے کی طرح صاف کہہ دیتے کہ میری درخواست (برائے استرداد) قبول نہیں کیجا سکتی"۔

۲۵۔ سر سالار جنگ نے اس مسئلہ کو جو ۱۸۸۱ء میں پیش کیا تھا اور لارڈ سالبری نے اسکا جو جواب دیا تھا اسکے حوالہ کو میں بنظیر بدبختی تصور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسنے بلاشبہہ میرے والد کو متاثر کردیا اور کوئی کلام نہیں کہ اس ذکر کا منشا بھی یہی تھا کہ یہ خیال والد کے دلمیں پیدا ہوجائے کہ اس معاملہ کا پہلے ہی فیصلہ ہوچکا ہے۔ انکا نتیجہ غلط تھا لیکن متذکرہ صدر اقتباس سے یہ بات صاف واضح ہے کہ یہی نتیجہ انکے ذہن میں مرتب کرایا گیا تھا۔ لارڈ سالبری نے اپنے جواب میں جسکا اوپر ذکر ہے محض یہ تبایا تھا کہ تفویض برار کے تعین کیلئے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ میں کوئی میعاد صریح نہیں ہے، اور اگر نظام بلوغت کو پہنچنے کے بعد یہ چاہیں کہ اس صوبہ کے متعلقہ معاہدہ کے شرائط کی ایک عام نظر ثانی ہوجائے تو حکومت برطانیہ انکی خواہشات پر غور کریگی یا فوق الذکر عبارت میں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جس سے اس دعوی کی تصدیق ہوسکے کہ برار دواماً دیدیا گیا ہے یا یہ کہ فیصلہ کی نوعیت کوئی قطعی ہے۔"

۲۶۔ لارڈ کرزن اور والد مرحوم کی ملاقات کے نمایاں خط و خال یہ ہیں کہ وائسرائے ہند کے اعلیٰ تحکم کی بنا پر مقابلتہ ایک کم قوت حلیف کو معین طور پر اور بڑے ستر و مد سے تین تیقنات ماضیہ اور شرائط معاہدہ کے خلاف یہ سمجھا گیا کہ کسی ڈھب سے اور کسی حالت کے تحت اسوقت کی یا زمانہ مستقبل کی کوئی برطانوی حکومت صوبہ برار اسکے مالک جائز کو واپس نہ دیگی۔ برار کی دوامی علیحدگی کے متعلق انکے جو اعتراضات تھے

انھیں ایسی بنیادوں سے کام لیا گیا جو حکومت برطانیہ کے ۱۸۵۳ء کے ان مواعید سے بالکل نامناسبت نہیں رکھتے جنکا ۱۸۶۰ء میں پھر اعادہ کیا گیا تھا کہ اسوقت کے فرمانروائے حیدرآباد لکھا گیا تھا کہ "جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس دیئے جائینگے برطانوی عہدہ داروں کے انتظام میں رہنے سے وہاں جو ترقی ہوگی اس سے حاصل شدنی نفع آئندہ نظام ہی حاصل کرینگے" ہز لارڈشپ نے اس حقیقت کو بھی بھلادیا کہ برار کی تفویض "امانتاً" ایک خاص غرض کیلئے تھی اور محض اس عرصہ تک کیلئے جب تک کہ اس غرض کا قائم رکھنا مطلوب ہو" اور ۱۸۶۰ء کی دفعہ ششم کی صاف صاف غیر ذومعنی عبارت سے بالکل چشم پوشی کرلی ہے جسمیں اسکے بطور امانت ہونے کی تصدیق ہے۔۔

حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کے ایک مراسلہ کی حسب ذیل عبارت پر میں اظہار حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو ۱۳ر نومبر ۱۹۰۲ء کو وزیر ہند کے نام لکھا گیا۔"

"ہز ہائینس نظام کی جانب سے تغیر کی تمنا کا اظہار ہوا خصوصاً اُن اضلاعات کی خطرناک و تغیر پذیر حالت کی وجہ سے جو شرائط معاہدات کے تحت انھیں واجب الادا رہتے تھے اور جنکی بیقاعدہ حالت کی وجہ سے ریاست کے مالیہ میں عدم یقین کا ایک افسوسناک عنصر راہ پا گیا تھا۔ جانبین نے اس امر کو محسوس کرلیا تھا کہ گذشتہ نصف صدی کے واقعات نے جسکے دوران میں اضلاع مفوضہ برار مسلسل برطانوی نظم و نسق کے

تحت رہ چکے ہیں ایک ایسا حق بربناء تصرف قدیم پیدا کردیا ہے جس سے علحدگی تو ناممکن ہے اور نہ علحدگی کی تمنا ہے اور بناء برآں حالیہ گفت وشنید میں فریقین کی مساعی یہی رہیں کہ ایک ایسا قابل نکال لیا جائے جو ان متحدہ خوبیوں کا حامل ہو کہ نظم ونسق کی وہ بےضابطگیاں دور ہوجائیں جنکا ہم نے ذکر کیا ہے اور نظام کو انکے علاقہ کے اس حصہ سے ایک معین رقم ملجائے اور برار کی آبادی کو جواب ۳/۴ ۲ ملین نفوس تک پہنچگئی ہے اس امر کی ضمانت ملجائے کہ انھیں حالات اور معیارات کا تسلسل قائم رہیگا جسکے تحت وہ مرفہ الحالی کے ایک بلند زینہ تک پہنچگئی ہے۔

۲۸۔ سکریٹری آف اسٹیٹ کے نام ارسال شدہ مراسلہ کے آخری فقرہ میں یہ لکھا گیا تھا کہ "ایسا ہے دلی طور پر خود اپنی ہی رضا ورغبت سے قبول کرلیا جیسی بشاشت باطنی اور خلوص کیساتھ ہم نے اسکو انکے پیش کیا تھا" یقینا یہ زبان متجاوز الحقیقت ہے۔ اس ملاقات سے بعد لارڈ کرزن کے دل پر چاہے کوئی اثر کیوں نہ ہو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں اور بڑے افسوس کیساتھ کہ جو شرائط وائسرائے ہند او رحکیمانہ شخصیت کے مدبر نے ایسے شدومد اور اصرار کیساتھ میرے والد کے پیش کئے تھے جیسا کہ آپکے اس نوٹ سے بخوبی واضح ہوتا ہے جو اسیوقت لکھا گیا تھا وہ نہ تو خود اپنی ہی رضا ورغبت اور "دلی طور" سے قبول کئے گئے تھے الیسی یکسوئی پر انکی (نظام) کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے جو راہ عمل اختیار کیگئی جسکو مسلسل نظامان (دکن) نے ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا اور جسکو ہمیشہ زمانہ

سابق میں بار بار مسترد کر دیا گیا اسکو اس حملہ کے دعویٰ سے کہ خود اپنے ہی رضا و رغبت سے تصفیہ قبول کیا عریاں اور اس مباحثہ کو ایک آزادانہ مکالمہ کی سیرت سے محروم کر دیتی ہے اس امر کے مدنظر کہ ایک اہم معاملہ تصفیہ طلب تھا یہ بہتر ہوتا کہ بہ تقاضائے راست معاملگی غور و خوض کیلئے کچھ وقت دیا جاتا اور انھیں اپنے مشیروں سے مشورت کا موقع ملتا لیکن انھیں اب کوئی موقع نہیں ملا۔"

۲۹۔ اگر یہ بات فرض بھی کر لیجائے کہ میرے والد نے ۱۹۰۲ء کے سمجھوتہ کو برضا و رغبت قبول کیا تھا تو بھی میں اپنے اس حق کا مدعی ہوں کہ اسکے جواز پر حرف گیری کروں کہ (ایسا کرنا) انکے عینی حقوق سے باہر تھا اسلئے کہ ان حالات میں انھیں اسکا کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ اپنے ان ممالک محروسہ کے کسی حصہ کو علیحدہ کر دیں جو انکے قبضہ میں اپنی رعایا اور اپنے جانشینوں کی امانت کے طور پر تھے ہمارے آبا و اجداد نے ریاست حیدرآباد کی حفاظت یا خانوادۂ شاہی کے نفع کی غرض سے جو علاقہ تفویض کئے ہیں وہ بالکل ایک جداگانہ سطح پر ہیں۔

۳۰۔ یہ بات خود لارڈ کرزن کے نوٹ سے صاف واضح ہے کہ میرے والد نے ہرگز ایک لمحہ کیلئے بھی کسی "حق قدامت" کو تسلیم نہیں کیا اور نہ وہ کسی ایسی سعی میں بحیثیت فریق شریک رہے "جو کسی حل کے دریافت کیلئے کیگئی ہو" ایک ایسے معاملہ میں جنمیں حکومت برطانیہ کی نیک نیتی کو دخل ہے مسئلہ قدامت ایک غیر متعلقہ

سکتے ہے علاوہ ازیں ریاست حیدرآباد کے اس حق کا بار بار تسلیم کیا جانا جبکہ برار کے قبضہ میں رکھنے کی ضرورت اٹھ جائیگی تو اسکو واپس ملجائیگا اس مسئلہ کو مصطلحات کی قلمرو سے باہر کر دیتا ہے جب برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء میں ریاست میسور کو ہندی حکمراں کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا تو یہ ثابت ہوگیا کہ میزان عدل و انصاف میں "قدامت قبضہ" کوئی چیز نہیں ہے ریاست میسور نصف صدی تک برطانوی قبضہ میں رہی انتقال (میسور) کے متعلقہ پارلیمنٹ کا غذات (مئی ۲۶ - ۲۳ ۱۸۸۱ء) سے واضح ہے کہ ہندوستان کا یہ حصہ کس طرح کاملاً برطانوی نظم و نسق سے مانوس ہوگیا تھا استرداد میسور جو مارکوئیس آف ہارٹنگٹن (بعد میں آٹھویں ڈیوک آف ڈیونشائر ہوئے) اور مارکوئیس آف رپن کے ہاتھوں عمل میں آیا اس کو تاریخ میں ہندوستان میں برطانوی حکومت کے تحت بہترین اعمال تدبیر و سیاست دانی پر مشتمل کہا جاتا ہے۔

۱۳۱ - برطانوی ہند کے حالیہ سیاسی نظم و نسقی تغیرات نے اس صوبہ کی مرتبت پر ۱۹۰۲ء کے پٹہ کے بعد سے مادیاً اثر کیا ہے ایک بات واضح ہے کہ معاملہ زیر بحث پٹہ پر دیئے ہوئے علاقوں کو جو تا حال ریاست حیدرآباد کا ایک اہم حصہ ہیں ہندوستان کے سیاسی نظم و نسقی طریقہ میں شامل کرنے کی اجازت نہیں دیتا خصوصاً وہاں کے باشندوں کی مرضی کے

خلاف ۔ اسطرح نہ صرف برار کے مالی ذرائع سے غیر براریوں کو استفادہ کا موقع ملا ہے بلکہ اصلاحات جدید کی وجہ سے میری رعایا اکثر معاملات میں بیرونی اشخاص کے تسلط کے تحت رکھی گئی ہے مثلاً نا موافقت تعداد کے باعث جیسے کہ مجھے اطلاع ملی ہے صوبجات متحدہ کی مجلس تشریعی میں انھیں ادنی جگہ ملی ہے یعنی سنہ ۱۹۰۲ء کے بعد سے صورت حال کاملاً ایسی بدلگئی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس درخواست میں اپنے حقوق کے اندر ہوں کہ عدل و انصاف کے ہر پہلو پر غور کرتے ہوئے اسوقت کے منعقدہ سمجھوتہ پر نظر ثانی کیجائے ۔

۳۲ ۔ میں اس کیلئے بے چین ہوں کہ میری برار کی رعایا اپنی قسمتوں کی صورتگری اپنے ہاتھوں میں لیلے اور اسی بناء پر میں استرداد صوبہ کے بعد انھیں نظم و نسق صوبہ میں ایسے وسیع پیمانے پر اشتراک عمل کی اجازت دینا چاہتا ہوں جو برطانوی ہند میں اسوقت کہیں کی رعایا کو حاصل نہیں ہے ۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے صوبہ کو واپس لینے میں کامیاب ہوجاؤں تو میں وثیقہ "استرداد" یا کسی اور ریاستی دستاویز میں جو لکھی جائیگی براریوں کو ایک ایسی ذمہ دار حکومت کے دستور کے عطا کئے جانے کے متعلق معین دفعات درج کروں گا جسکی رو سے ایک آئینی گورنر کے تحت جو میری جانب سے میرے نمائندے کی حیثیت سے مقرر ہوگا معاملات داخلہ اور نظم

ونسق میں کامل انتظامی اختیارات کیلئے اقتدار عامئہ مطلقہ حاصل ہوجائیگا باستثناء ان معاملات کے جو حکومت برطانیہ اور میرے محکمہ افواج سے متعلق ہوں۔

۳۳۔ ان مباحث حالیہ کو جنھیں ۱۹۰۲ء کی گفت و شنید میں بڑی اہمیت دیگئی تھی استرداد کی راہ میں حائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ سارا معاملہ جس کو میں اہمیت دیتا ہوں مالی منفعت کا نہیں بلکہ حق و انصاف کا ہے۔ آخری صولیاتی (تصفیہ حسابات) کے متعلق میں ایک منصفانہ سمجھوتہ سے زیادہ اور کسی چیز کی درخواست نہیں کرتا۔

۳۴۔ برطانوی شہنشاہیت کی پائداری کیلئے میرے آبا و اجداد نے اور خود میں نے جو کچھ کیا اور دیا ہے وہ تاریخی معاملات ہیں۔ میں نے انکا ذکر بھی نہیں کیا اسلیئے کہ یور اکسلنسی کے نام میں نے جو یہ مراسلہ لکھا ہے اس سے یہ منشا نہیں ہے کہ ایک "یار وفادار" نے جو کام اپنی محبت سے انجام دیئے ہیں انکا کوئی انعام طلب کیا جائے بلکہ یہ کہ میرے دعوی کا اظہار کرے اور ملک معظم کے حکومت کے ہاتھوں انصاف پائے۔

آپ کا مخلص

(شرح دستخط) میر عثمان علیخاں

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مکتوب عشری پر کتاب کو ختم کردیں۔ اگر خدا نے چاہا تو آئندہ دکن کی مکمل سیاسی تاریخ پبلک کی خدمت میں پیش کیجائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

بالخیر

بفضلہ تعالیٰ بماہ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ ہجری باتمام رسید۔

احقر

ایس۔ ایم۔ رحمٰن (آکولہ)

قطعہ تاریخ طبع مرآۃ الابرار نتیجہ فکر سحبان زماں جناب منشی محمد خاں صاحب افضل بریلوی از اکولہ (برار)

شکر حق محنت محمد کی ٹھکانے لگ گئی	ہو گئی ختم آج مرآۃ الابرار
چھپ چکی لو آج وہ نادر کتاب	جس کا پبلک کو بہت تھا انتظار
ہر طرف سے اسکی مانگ ہے	آرہی فرمائشیں ہیں بے شمار
اقتصادی و سیاسی آئینی	بحث کی ہے اسمیں واضح آشکار
راجہ چندو لعل نے سازش جو کی	ہے مجلاً دیکھئے آئینہ دار
اور تاریخی براہیں پیش کیں	ہیں محقق اہل تصنیف آشکار
کی مدلل خوب ہر پہلو پہ بحث	منکشف کیوں ہوں نہ اسرار برار
پار پہنچے بحر تحقیقات سے	کشتی فکر رسا میں ہو سوار
ہیں مصنف فخر قوم ہمدرد قوم	قوم پر کرتے ہیں اپنی جاں نثار
فکر میں تھا مصرعہ تاریخ کی	مجھ سے یوں کہنے لگا کوئی پکار

کہدو افضل خوب تحقیقات سے
لکھی معلومات مرآۃ الابرار
۱۳۳۲ فصلی

از نتیجہ فکر جناب سید عنایت علی صاحب آغاز برہانپوری

آغاز قطعہ آپ کا اک یادگار ہو	ہر مصرعہ سے جو طبع کا سن آشکار ہو
صوری و معنوی اگر اس کا شمار ہو	زیب برار جب تو مرآۃ الابرار ہو
۱۳۴۳ ہجری	۱۹۲۴ عیسوی



ملنے کا پتہ

محبوب خانصاحب سکریٹری مسلم کلب ۔ آکولہ (برار)

گلشیر خانصاحب ۔ لال بنگلہ ۔ آکولہ (برار)